نوٹ بک
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۱۰

نوٹ بک

اشتیاق احمد

حدیث شریف: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے سونے چاندی کے برتن میں یا ایسے برتن میں جس میں ان دونوں میں سے کسی کی ملاوٹ ہو، پانی پیا تو وہ در حقیقت اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے ڈال رہا ہے۔

وضاحت: کھانے پینے اور برتنے کی چیزوں میں ٹھاٹ باٹ کا اظہار نہیں کرنے چاہیے۔

ناول پڑھنے سے پہلے:

یہ دیکھ لیں کہ

○ یہ وقت نماز کا تو نہیں؟

○ آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔ کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں؟

○ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

○ آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا؟

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بھی بات ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہولیں، پھر ناول پڑھیں۔

مخلص:
اشتیاق احمد

کل شام جھنگ صدر کے دو پڑھنے والے ملاقات کے لیے آئے ــــ ایک کی عرفیت یاد رہ گئی، اصل نام ذہن سے نکل گیا. خود کو گوگی کہہ رہے تھے وہ ــــ انہوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ میں جھنگ صدر میں رہتا ہوں؛ حالانکہ اس میں حیرت کی سرے سے کوئی بات نہیں. انسان جس جگہ پل کر بڑا ہوتا ہے، اس جگہ سے پیار ضرور کرتا ہے ــــ انہوں نے اس بات پر اور بھی حیرت کا اظہار کیا کہ میں نے کسی ناول میں جھنگ صدر کا ذکر نہیں کیا. ان کی یہ بات سن کر میں مسکرا دیا اور انہیں بتایا کہ میں تو اپنے کسی ناول میں کسی بھی شہر یا ملک کا نام لکھتا ہی نہیں ــــ اس پر وہ بولے، کم ازکم مجھے اپنے کسی ناول کی دو باتیں میں تو جھنگ صدر کا ذکر ضرور کرنا چاہیے اور میں نے ان سے وعدہ کر لیا، لیکن اب اس چکر میں ہوں کہ دو باتیں میں جھنگ صدر کا ذکر کروں تو کیا اور کیسے؟ آپ ہی میری مدد فرمائیں اور مجھے اس چکر سے نجات دلائیں - ویسے گھبرانے کی ضرورت نہیں کہ یہ کوئی جاسوسی چکر ہے، جی ہاں

لڑنے والے

انہوں نے چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا، ان کے چاروں طرف بلند پہاڑ تھے، سر پر سورج چمک رہا تھا اور ہوا بہت گرم تھی:

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"ابا جان نے ہمیں یہاں بلا وجہ نہیں بھیجا۔ ضرور کوئی خاص بات ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"تم بات کی بات کر رہی ہو ــ یہاں دور دور تک کسی انسان کا نام و نشان تک نہیں ہے۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"ابھی چار بجنے میں دو منٹ باقی ہیں ــ چار بجنے سے پہلے تم کوئی خیال ظاہر نہیں کر سکتے۔" محمود نے فاروق کو گھورا۔

"دو منٹ پورے ہونے میں دیر ہی کتنی لگے گی ــ" فاروق بول اٹھا ــ

"بس دو منٹ کی ہی دیر لگے گی۔" فرزانہ مسکرائی۔

"میرا خیال ہے۔ ابا جان نے ہمیں اتنا عجیب و غریب حکم پہلے کبھی نہیں دیا ہو گا۔" محمود پہاڑوں کی چوٹیوں پر نظریں ڈالتا ہوا بولا۔

"جب کہ میرے خیال میں وہ اس سے بھی عجیب و غریب حکم دیتے رہے ہیں۔ آج کا حکم تو صرف اتنا سا ہے کہ ٹھیک چار بجے شمالی پہاڑیوں میں نیلی چوٹی پر پہنچ جاؤ۔ سو ہم چند منٹ پہلے ہی پہنچ چکے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

"کاش وہ ہمیں کچھ اور بھی بتا دیتے۔ یہ کہ یہاں پہنچ کر ہمیں کرنا کیا ہے۔"

"کچھ بتانا مناسب نہیں ہو گا۔ ورنہ ضرور بتاتے۔ میں کہتی ہوں، تم صبر نہیں کر سکتے۔"

"بالکل کر سکتے ہیں۔ چار کیا۔ ہم تو یہاں ساڑھے چار بجے تک صبر کر سکتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"کاش تم صبر کرنے کے ساتھ ساتھ خاموش بھی رہ سکتے۔" فرزانہ جل بھن گئی۔

"ایک وقت میں تو میں ایک ہی کام کر سکتا ہوں۔ خاموش رہ سکتا ہوں یا صبر کر سکتا ہوں۔" فاروق بولا۔

"تب پھر مہربانی فرما کر تم خاموش رہو، کیوں کہ خاموش رہنا بھی صبر کرنے کے برابر ہے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"اچھی بات ہے، اب میں نہیں بولوں گا۔ ہاں جب میری خاموشی تم پر بوجھ بننے لگے تو بتا دینا۔ اس وقت میں اپنی زبان کو کھول دوں گا۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"لیجیے۔ اب خاموشی بھی بوجھ بنے گی۔ بھئی یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"کک۔ کیا نہیں ہو سکتا؟" فاروق نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ کہ خاموشی بوجھ بن جائے۔ لیکن یہ کیا۔ یہ تم خاموش ہوئے ہو۔ میرا خیال ہے، ابھی تو تم نے خاموش رہنے کا نام بھی نہیں لیا۔"

"اسے کہتے ہیں، آ محاورے مجھے مار۔" فاروق تلملا اُٹھا۔

"اُف توبہ، بے چارے بیل کی اتنی حق تلفی۔" فرزانہ نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"آئیں بڑی۔ بیلوں کی ہمدرد۔" فاروق بولا۔

"لو بھئی۔ اب یہ لڑائی جھگڑا ختم۔ ٹھیک چار بج رہے ہیں۔ فاروق اپنی زبان پر قطعاً کوئی قابو نہیں پا سکا، لیکن اب تو چُپ ہونا ہی پڑے گا۔ کیونکہ۔" اس نے جملہ درمیان میں ہی چھوڑ دیا۔ مُنہ حیرت زدہ انداز میں کُھل گیا۔

"یہ کیونکہ اتنا سنسنی خیز تو نہیں تھا کہ تمہارا مُنہ کُھل گیا۔" فاروق حیران ہو کر بولا۔

"وُہ۔ وُہ دیکھو۔" محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

دونوں نے ایک ساتھ اس طرف دیکھا۔ اور پھر ان کی آنکھوں میں بھی حیرت اور خوف کے دیے جل اُٹھے۔ تقریباً سو گز کے فاصلے پر۔ ایک آدمی تین آدمیوں سے جنگ کر رہا تھا۔ وُہ ان تینوں کے درمیان گھر گیا تھا۔ تینوں اس پر تابڑ توڑ مُکّے برسا رہے تھے، لیکن وہ بھی ان کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہا تھا اور تینوں کی طرف مُکّے اور لاتیں اُچھال رہا تھا۔ مقابلہ اگر ایک اور ایک کا ہوتا تو یقیناً اس کا پلّہ بھاری ہوتا، لیکن مقابلے میں چونکہ تین تھے۔ اس لیے اس کی فتح کے امکانات بہت کم تھے۔

"آؤ۔ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیے۔" محمود ان کی طرف لپکا۔

"لیکن۔ ہمیں کیا معلوم۔ یہ کون لوگ ہیں؟" فرزانہ ہکلائی۔

"یہ نہ بھولو۔ ابّا جان نے ہمیں یہاں بغیر کسی وجہ کے تو ہرگز نہیں بھیجا۔" محمود نے کہا۔

"تت۔ تو کیا اس شخص کی مدد کے لیے بھیجا ہے، لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ یہاں یہ جنگ ہو گی۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اور تھوڑی دیر پہلے تو یہاں کوئی بھی نہیں تھا۔"

اس دوران وُہ تیزی سے آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے نزدیک پہنچ گئے:

"ہیلو۔ صاحبان۔ یہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔" فاروق نے ہانک لگائی۔

"دد۔ دیکھتے نہیں۔ دنگا فساد ہو رہا ہے۔ تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ دنگا فساد کیا ہوتا ہے۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"اب معلوم ہو گیا کہ دنگا فساد کیا ہوتا ہے۔"

لڑنے والوں نے موقع پا کر ان پر نظریں ڈالیں۔ ان کے چہروں پر حیرت دوڑ گئی۔ جیسے یہاں ان کی موجودگی ان کے لیے عجیب بات رہی ہو۔

"بھاگ جاؤ یہاں سے۔ ہم کھیل رہے ہیں۔" تین میں سے ایک بولا۔

"کھیل رہے ہیں۔ یہ کھیلنے کا کون سا طریقہ ہے؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"چلتے پھرتے نظر آؤ۔" دوسرا غرایا۔

"بہت خوب۔ آؤ بھی چلتے پھرتے نظر آئیں۔ یہ ضرور کوئی خونی کھیل کھیل رہے ہیں۔" فاروق نے خوف زدہ انداز میں واپس مڑتے ہوئے کہا۔

"یہ۔ یہ کیا کر رہے ہو تم۔" محمود چلایا۔

"کیوں جناب۔ کیا آپ لوگ کھیل رہے ہیں؟" فرزانہ نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"نن نہیں۔ یہ لوگ مجھے جان سے مار ڈالنا چاہتے ہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"ارے باپ رے۔ ہم۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔" فاروق بولا۔

"تب تو ہم نہیں جائیں گے اور باقاعدہ آپ کی مدد کریں گے۔" محمود نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! کبھی کبھی ہم بے قاعدہ مدد بھی کرتے ہیں۔" فاروق چہکا۔

اب تینوں ان کے بالکل نزدیک پہنچ گئے تھے۔ اچانک اکیلے آدمی نے موقع پا کر دوڑ لگا دی۔

"ارے ارے۔ پکڑو اسے۔ جانے نہ پائے۔" تین میں سے ایک نے چلا کر کہا اور خود بھی دوڑا، لیکن اُچھل کر اوندھے منہ گرا۔ محمود نے اچانک ٹانگ اڑائی تھی۔ باقی دو کے پیچھے فاروق اور فرزانہ نے دوڑ لگا دی۔ فاروق نے دوڑتے دوڑتے سر کی ٹکر دُوسرے کی کمر میں دی۔ زمین پہلے ہی ناہموار تھی۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ دھڑام سے گرا، اتنے میں فرزانہ تیسرے تک پہنچ چکی تھی۔ اس کے سر کے بال بہت لمبے تھے۔ اسے اور تو کچھ نہ سوجھا۔ بال پکڑ

کر کھینچ لیے۔ اس کے جسم کو ایک زور دار جھٹکا لگا۔ پلٹ کر فرزانہ کے مُنہ پر ایک زور دار مکا مارا۔ جو اس کے کندھے پر لگا؛ تاہم یہ اتنا زور دار تھا کہ فرزانہ گھوم کر رہ گئی۔ وہ پھر بھاگا۔

اب جو انہوں نے دیکھا تو اکیلا آدمی غائب تھا۔

"ارے، وہ کہاں گیا؟" اس کے مُنہ سے نکلا جو محمود کی ٹانگ کی پلیٹ میں آگیا تھا اور اب اُٹھ کر محمود پر جھپٹ پڑنے کی سوچ رہا تھا۔

"وُہ۔ وُہ۔ ادھر گیا ہے۔" اس کے ایک ساتھی نے کہا۔

"تو پھر آؤ۔ ان سے اُلجھنے کے چکر میں کہیں وُہ نکل نہ جائے۔"

"ہاں واقعی۔ ہم سے اُلجھنے کا چکر بہت بُرا ہوتا ہے۔"

انہوں نے ایک بار پھر دوڑ لگا دی۔ اس بار ان تینوں نے بھی انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ اکیلا آدمی دُور دُور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ ڈھلوان میں دوڑتے چلے گئے۔ کچھ دُور تک تو وُہ بھی ان کے پیچھے دوڑے، پھر محمود نے رُکتے ہوئے کہا:

"نہیں۔ میرا خیال ہے۔ وُہ اس طرف نہیں گیا۔"

"تو پھر۔ کس طرف گیا ہے؟" فاروق نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں تو وہ۔ آس پاس ہی کسی چٹان کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔"

"کیوں میاں۔ کیا تم آس پاس کہیں چھپے ہوئے ہو۔ اگر ایسا ہے تو ابھی کچھ دیر اور چھپے رہو۔ جب تک وہ بہت دُور نہیں نکل جاتے۔ ورنہ وہ پھر پلٹ آئیں گے اور تمہاری خاطر ہمیں ان سے لڑنا پڑے گا۔ لہذا بہتر یہی ہے کہ تم چھپے رہو۔" فاروق بلند آواز میں کہتا چلا گیا۔

"یار ایسے ہی حلق پھاڑ رہے ہو، وہ پتا نہیں کہاں ہوگا۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

تینوں دوڑنے والے آخر ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ۔۔۔

"لو۔ اب تو وُہ نظر بھی نہیں آ رہے۔ اب ہم کیا کریں۔" فاروق بولا۔

"ہیلو مسٹر۔ کیا تم آس پاس موجود ہو۔ اگر ہو تو سامنے آ جاؤ۔ اب کوئی خطرہ نہیں رہا۔" محمود نے دبی آواز میں کہا، لیکن وہ سامنے نہ آیا۔

"اب کیا کریں؟" فرزانہ تھکی تھکی آواز میں بولی۔

"گھر جانے کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔ ہمیں جس کام سے بھیجا گیا تھا، وُہ ہم کر چکے۔"

"ہم کیا کر چکے۔" فاروق حیران ہو کر بولا۔

"بھئی اسے ان تینوں کے چنگل سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے بس۔ اور کیا۔"

"اُلجھن تو یہی ہے۔ ابّا جان نے یہ تو بتایا ہی نہیں تھا کہ ہمیں یہاں کرنا کیا ہے۔"

"تاہم انہوں نے اتنا تو بتایا ہی تھا کہ چار بجے تک اگر یہاں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ تو واپس آ جائیں۔"

"ہاں۔ اور گڑبڑ ہو چکی ہے۔ اس سے اچھی گڑبڑ بھلا کیا ہو گی۔ لہذا آؤ چلیں۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

وہ واپس جانے کے لیے مڑے۔ ابھی چند منٹ ہی چلے ہوں گے کہ ٹھٹک کر رہ گئے ۔۔۔

○

ایک چٹان کی اوٹ میں وُہ پُرسکون انداز میں بیٹھا تھا، تینوں بھنّا کر رہ گئے۔

"بھئی عجیب آدمی ہو۔ ہم نے تمہیں آوازیں دیں۔ اور تم ٹس

سے مس نہیں ہوئے۔" فاروق نے جلے بھنے انداز میں کہا۔

" مجھے ڈر تھا۔ وہ لوگ میری آواز سن کر یا مجھے دیکھ کر واپس نہ پلٹ آئیں۔ لیکن اب ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ لوگ بہت دور نکل گئے اور واپس نہیں آئیں گے۔"

" سوال یہ ہے کہ آپ کون ہیں۔ اور ان سے لڑ کیوں رہے تھے؟" محمود نے بے چین ہو کر پوچھا۔

" لڑ میں نہیں۔ وہ رہے تھے۔"

" ہوں۔ چلیے خیر یونہی سہی۔ وہ آپ سے کیوں لڑ رہے تھے؟"

" پہلے تم یہ بتاؤ۔ تم کون ہو اور یہاں کیا کرتے پھر رہے ہو؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

" کرتے تو کچھ بھی نہیں پھر رہے تھے۔ ہاں کچھ گڑبڑ ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔"

" کیا مطلب!" اس نے چونک کر کہا۔

" ہمارے ابا جان کا خیال تھا کہ ٹھیک چار بجے یہاں کوئی گڑبڑ ہو گی، لہٰذا اس گڑبڑ کو روکنے کے لیے انہوں نے ہمیں یہاں بھیج دیا اور مزے کی بات یہ کہ گڑبڑ ٹھیک چار بجے ہی شروع ہوئی۔ یعنی آپ لوگوں کی جنگ۔"

" بات پلّے نہیں پڑی۔ آپ کے ابا جان کون ہیں۔ انہیں یہ بات کس طرح معلوم ہو گئی تھی کہ یہاں ٹھیک چار بجے گڑبڑ

ہو گی؟"

" ہمیں نہیں معلوم کہ انہیں یہ بات کس طرح معلوم ہو گئی تھی۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

" وہ ہیں کون۔ کیا کرتے ہیں؟"

" افسوس، ہم آپ کو ان کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے۔ اس وقت تک نہیں بتا سکتے۔ جب تک کہ آپ اپنے بارے میں سب کچھ نہیں بتا دیتے کہ آپ کون ہیں اور وہ لوگ آپ سے کیوں لڑ رہے تھے؟"

" میں بتا چکا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم۔ وہ کیوں لڑ رہے تھے۔"

" یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

" پتا نہیں۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔"

" اچھا خیر۔ یہ بتائیے۔ کیا آپ کو اس جگہ بالکل ٹھیک چار بجے پہنچنا تھا؟" فرزانہ نے کچھ سوچ کر پوچھا۔

" ہاں، یہ ٹھیک ہے۔ مجھے یہاں ٹھیک چار بجے پہنچنا تھا۔ ایک صاحب سے یہاں ملاقات طے تھی۔ لیکن اس کی بجائے وہ تین آ گئے۔ اور ملاقات کی بجائے لڑائی شروع کر دی۔" اس نے کہا۔

" جس شخص کو آنا تھا، کیا آپ اسے پہچانتے ہیں؟"

"نہیں۔ وہ میرے سامنے آ کر اپنا تعارف کراتا، اپنی پہچان کراتا۔" وہ کہتے کہتے رُک گیا۔

"اور پھر۔ اس کے بعد آپ کیا کرتے؟"

"اس کے بعد۔ میں۔ لیکن میں تم لوگوں کو کیوں بتاؤں۔" وہ چونک کر بولا۔

"نہ بتائیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ کیوں نہیں آیا۔ جس سے آپ کی ملاقات طے تھی اور یہ لوگ کس طرح آ گئے۔"

"بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"آپ وہ باتیں کہہ سکتے ہیں۔ جو ہم سے چھپا رہے ہیں۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"سوری۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"خیر۔ اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"پروگرام۔ یہی تو اُلجھن ہے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس سے یہاں ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ اس سے ملاقات کیے بغیر میں واپس نہیں جا سکتا۔"

"تب آپ خود اس سے جا کر مل لیں۔"

"مجھے نہیں معلوم۔ وہ کہاں رہتا ہے۔"

"اس کا نام بتائیں۔ شاید ہم مدد کر سکیں۔"

"میں اس کا نام بھی نہیں جانتا۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، یہ کس طرح ہو سکتا ہے، آپ اس کا نام جانتے ہیں، نہ پتا۔ پھر اس سے ملنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"تم لوگ ابھی بچے ہو۔ ان معاملات کو کیا جانو۔" وہ بولا۔

"خیر۔ آپ کی مرضی۔ نہ آپ ہماری کوئی مدد کرتے ہیں، نہ ہم سے مدد چاہتے ہیں، لہٰذا ہم چلتے ہیں۔" محمود نے جھنّائے ہوئے لہجے میں کہا، پھر ان سے بولا:

"آؤ چلیں۔"

تینوں جانے کے لیے مڑے۔ اجنبی کے چہرے پر اُلجھن کے آثار نمودار ہوئے، آخر اس نے کہا:

"ٹھہرو۔"

وہ ایک ساتھ اس کی طرف مڑے۔

"لیجیے۔ ٹھہر گئے۔ اب کیا حکم ہے۔"

"میں شدید اُلجھن کا شکار ہو گیا ہوں۔"

"خوشی کی بات ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"کک۔ کیا تم لوگ وطن سے محبت کرتے ہو۔"

"کون سے وطن سے۔ ہم اپنے وطن سے محبت کرتے ہیں، دوسرے اسلامی ملکوں سے بھی محبت کرتے ہیں۔ غیر اسلامی،

لیکن دوست ملکوں سے نفرت نہیں کرتے۔ دشمن ممالک سے ہم شدید نفرت کرتے ہیں اور جو ملک ان کی مدد کرتے ہیں، ان سے اور بھی زیادہ نفرت کرتے ہیں۔ فرمائیے۔ آپ نے یہ کیوں پوچھا۔"

"اگر تم لوگ واقعی محبِ وطن ہو تو میں تم لوگوں سے کام لے سکتا ہوں۔"

"ہمیں خوشی ہو گی۔ اگر وطن کے کام آسکیں۔" محمود جلدی سے بولا۔

"تو پھر سنو۔ مجھے یہاں ٹھیک چار بجے پہنچنا تھا۔ ایک نن۔۔"

نن سے آگے وُہ کچھ نہ کہہ سکا۔ فائر کی آواز نے انہیں لرزا دیا۔ گولی اس کے کندھے میں لگی۔ وُہ تیورا کر گرا اور تڑپنے لگا۔

محمود، فاروق اور فرزانہ فوراً ہی لوٹ لگا گئے۔ اور لڑھکتے ہوئے دُور نکل گئے۔ کچھ دُور تک لڑھکنے کے بعد رُکے تو انہوں نے اس پر کسی کو جھکے ہوئے دیکھا۔ وُہ ایک لمبے قد، چوڑے چکلے جسم کا آدمی تھا۔ دائیں ہاتھ میں پستول تھا اور بائیں ہاتھ سے وہ اجنبی کی تلاشی لے رہا تھا۔ ان کی طرف تو اس نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

اس کے چہرے پر ایک ہیٹ تھا اور آنکھوں پر تاریک شیشے کی عینک۔ قمیص کے کالر اُٹھے ہوئے تھے، اس طرح چہرہ چھپ کر رہ گیا تھا۔

تینوں جلدی جلدی چٹان کی اوٹ لینے لگے۔ حیرت زدہ انداز میں وُہ حملہ آور کی طرف دیکھ رہے تھے۔

آخر انہوں نے اسے سیدھا ہوتے دیکھا۔ اب اس کے ہاتھ میں ایک نوٹ بُک یا ڈائری تھی۔ اس کی سیاہ جلد دھوپ میں چمک رہی تھی۔ سیدھا ہوتے ہوئے اس نے کہا:

"میں جانتا ہوں۔ تم لوگ کہاں چھپے ہوئے ہو۔ اگر میں چاہوں تو تمہیں آسانی سے نشانہ بنا سکتا ہوں، لیکن مجھے ایسا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ انسپکٹر جمشید سے جا کر کہہ دینا۔ ہر جگہ اپنے بچوں کو نہ بھیجا کرے، کچھ کام خود بھی کر لیا کرے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ مڑا اور ایک سمت میں چل پڑا۔ تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں:

"اب کیا کریں۔"

"اس نے ہمارے ابا جان کو اور ہمیں طعنہ دیا ہے۔ ہم اس طعنے کا جواب ضرور دیں گے۔" محمود سرد آواز میں بولا۔

"ٹھیک ہے۔ چاہے کچھ ہو جائے۔ ہم اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"تو پھر آؤ۔ ہم اسے راستہ بتا کر رہیں گے۔" فاروق نے کہا۔

تینوں چٹان کی اوٹ سے نکل کر اس کے پیچھے چلے۔ اگرچہ جانتے تھے، اس کے ہاتھ میں پستول ہے اور اس پستول سے وہ ایک شخص کو گولی کا نشانہ بنا چکا ہے۔

اس نے اپنے پیچھے دوڑتے قدموں کی آواز سنی، لیکن مڑ کر دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ بھنّا اٹھے اور تیز تیز چلنے لگے۔ ادھر وہ بھی بہت تیز چل رہا تھا۔ بلکہ چل کیا رہا تھا، لمبی لمبی چھلانگیں لگا رہا تھا۔ یہاں تک کر وہ ہموار جگہ تک پہنچ گئے۔ یہاں انہیں ایک جیپ کھڑی دکھائی دی۔

ابھی ان کا درمیانی فاصلہ کافی تھا۔ جیپ کو دیکھ کر انہیں خطرے کا احساس ہوا:

"یہ۔ یہ جیپ میں بیٹھ کر نکل جائے گا اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔"

"تو پھر آؤ۔ دوڑ لگا دیں۔ اس سے پہلے کہ یہ جیپ تک پہنچے۔ ہم اس کے سامنے پہنچ جائیں۔"

"لیکن کیسے۔ میرے ہاتھ میں پستول ہے اور تم نہتّے ہو۔ میں

اگر مڑ کر تم پر فائرنگ کر دوں۔ تو۔" اس نے پلٹ کر کہا۔ انداز خوفناک تھا۔ وہ ٹھٹک کر رہ گئے۔

اسی وقت وہ جیپ میں بیٹھ گیا۔

"محمود۔ جیپ کا نمبر نوٹ کر لو۔ ہم اس کا پیچھا ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔" فرزانہ چلّائی۔

"ہاں۔ ضرور۔ کیوں نہیں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

محمود نے نمبر نوٹ کر لیا۔ اتنے میں وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ پستول اب تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ تینوں نے اس لمحے شدید بے بسی محسوس کی۔ حملہ آور ان کی آنکھوں کے سامنے سے فرار ہونے والا تھا اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ایسے میں اچانک محمود جھکا اور ایک پتھر اٹھا لیا۔ ادھر پستول والا جیپ کو سٹارٹ کرنے کی مسلسل کوشش کر رہا تھا، لیکن جیپ تھی کہ سٹارٹ ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ آخر وہ جھنجلا کر نیچے اترا اور جیپ کے انجن کی طرف بڑھا۔ یہی وہ لمحہ تھا جب محمود کا ہاتھ چل گیا۔

پتھر اس کے سر پر لگا۔ اس کے ہاتھ سے پستول نکل گیا۔ سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے وہ بیٹھتا چلا گیا۔

فاروق نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور پستول اٹھاتے

ہوئے اس سے دُور نکلتا چلا گیا۔ دوسرے ہی لمحے وُہ پستول اس پر تان چکا تھا:

" جواب نہیں محمود تمہارا۔" فرزانہ چہک کر بولی۔

" اب ہم اسے ملنے کا مزا چکھائیں گے۔" فاروق غرّائی ہوئی آواز میں بولا —

" وہ تو یہ چکھ بھی چکا۔ وقت ضائع کرنے کی بجائے ہمیں اس نوٹ بک پر قبضہ کر لینا چاہیے۔"

" ہاں ٹھیک ہے۔" محمود نے کہا اور آگے بڑھ کر نوٹ بک اس کی جیب سے نکال لی۔

" اب ہم اس کا کیا کریں۔" فرزانہ بولی۔

" ہمارے پاس اسے باندھنے کے لیے کچھ نہیں۔ لہذا ہم اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتے کہ فوراً شہر پہنچ جائیں اور وہاں سے انکل اکرام کو ادھر بھیج کر خود گھر چلے جائیں۔" فاروق نے کہا۔

" ٹھیک ہے۔ ان حالات میں اس کے سوا کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔"

موٹر سائیکلیں انہوں نے ایک جگہ اوٹ میں کھڑی کر رکھی تھیں۔ وُہ اس طرف مڑے ہی تھے کہ فرزانہ چونک کر بولی:

" ارے، ہم اس اجنبی کو تو بھول ہی گئے۔ پتا نہیں، وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ کیوں نہ اس پر نظر ڈالتے چلیں۔"

" اوہ ہاں۔ واقعی۔" محمود بول اُٹھا۔

اور وُہ اس طرف دوڑ پڑے۔ اجنبی ہوش میں نظر آیا، گولی اس کے کندھے کو چھو کر گزر گئی تھی۔ کندھے سے خُون رس رہا تھا، حالت خطرناک نہیں تھی —

" افسوس۔ وُہ نوٹ بک لے گیا۔"

" ہم نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا۔ نوٹ بک اب ہمارے پاس ہے۔ آپ بتائیے۔ اب ہم اس کا کیا کریں؟"

" یہ نوٹ بک یہیں کہیں چھپا کر فوراً شہر چلے جاؤ اور وہاں سے کچھ پولیس آفیسرز کو بلا لاؤ — یہ نوٹ بک ان کے حوالے کر دینا —" وہ بولا —

" لیکن ہم اسے یہاں چھپا کر کیوں جائیں؟"

" تاکہ راستے میں کوئی تم سے چھین نہ لے۔ وہ لوگ یہاں سے گئے ہرگز نہیں، آس پاس ہی موجود ہوں گے۔"

" اوہ!" ان کے مُنہ سے ایک ساتھ نکلا۔

" نوٹ بک کی حفاظت کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں۔"

" اچھا۔ ہم یہی کریں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آپ یہ نوٹ بک لے کر کہاں سے آئے اور کہاں لے جانا چاہتے تھے، یہاں کیوں آئے تھے؟"

" یہ مجھے اسی جگہ ایک شخص کے حوالے کرنا تھی۔ یہیں ایک جگہ

موجود تھی، لیکن اس شخص کی بجائے وُہ تینوں اور وُہ پستول والا یہاں پہنچ گئے۔ میں حیران ہوں۔ وُہ شخص یہاں کیوں نہیں پہنچا۔"

"اچھا تو ہم چلتے ہیں۔ آپ کے لیے بھی مدد لے کر آتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، لیکن۔ نوٹ بک۔"

"اسے بھی کچھ فاصلے پر چھپا جائیں گے۔ اس جگہ کا آپ کو پتا نہیں ہونا چاہیے۔" محمود بولا۔

"اوہ ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ تم بہت عقل مند ہو۔" اس نے کہا اور ساتھ ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"ارے آپ۔ کہیں مر تو نہیں گئے۔" فاروق بوکھلا اُٹھا۔

"دھت تیرے کی۔ مرا ہوا آدمی بھلا جواب دے سکتا ہے۔"

"اوہ ہاں۔ میں تو بھول ہی گیا۔"

"لیجیے۔ یہ۔ یہ بات بھی بھول گئے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

اور وہ وہاں سے چل پڑے۔ کچھ دُور پہنچ کر ایک چٹان کے دامن میں ایک بڑے پتھر کے نیچے نوٹ بک رکھ دی۔ لیکن ایسا کرنے سے پہلے انہوں نے چاروں طرف اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ کوئی انہیں ایسا کرتے ہوئے دیکھ تو نہیں رہا۔

اب وُہ موٹر سائیکلوں کی طرف چل پڑے۔

"چکر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔" فاروق بڑبڑایا۔

"کون سی نئی بات ہے۔ چکر تمہاری سمجھ میں آیا کرتے ہی نہیں۔" فرزانہ نے منہ بنا کر کہا۔

"تم تو اس طرح کہہ رہی ہو جیسے تمہاری سمجھ میں یہ چکر آ گیا ہے۔"

"کسی قدر ضرور آ گیا ہے۔ اجنبی نوٹ بک کسی کے حوالے کرنے یہاں آیا تھا، لیکن وُہ شخص یہاں نہیں پہنچ سکا۔ اس کی بجائے کچھ اور لوگ پہنچ گئے۔ انہوں نے نوٹ بک چھیننے کی کوشش کی۔ لیکن درمیان میں کود پڑے ہم۔ وُہ تین تو بھاگ نکلے، لیکن پھر وہ پستول والا ٹپک پڑا۔ اور اسے گولی مار کر نوٹ بک حاصل کر کے چلتا بنا۔ ہم اس کے آڑے آئے اور اسے زخمی کر کے نوٹ بک چھین لی۔ یہ ہے اس وقت تک کی کُل کہانی۔" فرزانہ روانی کے عالم میں کہتی چلی گئی۔

"اتنی باتیں تو میں اور محمود بھی سمجھ گئے ہیں۔ سوال تو یہ ہے کہ وُہ شخص کیوں نہیں پہنچا۔ اس کی بجائے کچھ اور لوگ کیوں پہنچ گئے۔ دوسرے یہ کہ ابّا جان کو کس طرح معلوم تھا کہ چار بجے اس جگہ کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔"

"میں نجومی نہیں کہ ان باتوں کے جواب دے سکوں۔" فرزانہ بھنا اُٹھی۔

"خیر۔ یہاں تو کوئی نجومی بھی ان باتوں کے جواب نہیں دے سکتا۔" محمود نے کہا۔

وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں موٹر سائیکلیں کھڑی کی تھیں — انہوں نے دیکھا۔ وہی تینوں موٹر سائیکلوں کے آگے ڈٹے کھڑے تھے —

اشاراتی تحریر

"ہیلو دوستو۔ ہم نے پہلے ہی جان لیا تھا، تم لوگ یہاں ضرور آؤ گے۔" ان میں سے ایک چہک کر بولا۔

"بہت خوب — تم لوگ تو بہت اچھے نجومی ہو — اتنا اندازہ تو شاید ہم بھی نہیں لگا سکتے تھے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا —

"کتنا شاندار اندازہ۔" دوسرا مذاق اڑانے والے لہجے میں بولا۔

"اندازے کے پیچھے پڑنے کی بجائے، کیا یہ بہتر نہیں رہے گا کہ ہم معاملے کی بات کر لیں، تم لوگ کیا چاہتے ہو۔" فاروق جل کر بولا۔

"ہاں، کیوں نہیں — یہ تو بہت اچھی بات ہے، وہ نوٹ بک ہمیں دے دو۔"

"کون سی نوٹ بک —" محمود نے حیران ہو کر کہا اور اس وقت انہیں اندازہ ہوا، نوٹ بک ساتھ نہ لا کر انہوں نے بہت

اچھا کیا تھا —

"وہی جو اجنبی کی جیب سے حملہ آور نے نکالی۔ اور پھر اس سے تم نے حاصل کی۔"

"تمہیں یہ سب کچھ کس طرح معلوم ہے۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا، کیونکہ اگر انہیں یہ سب کچھ معلوم تھا تو پھر یہ بھی معلوم رہا ہوگا کہ نوٹ بک کہاں چھپائی گئی تھی، لیکن اس صورت میں انہیں نوٹ بک ان سے طلب کرنے کی ضرورت کیا تھی۔

"اگر تمہیں سب کچھ معلوم ہے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ نوٹ بک کہاں ہے؟"

"ہاں، معلوم ہے۔ نوٹ بک تم میں سے ایک کی جیب میں موجود ہے۔ جونہی تم نے حملہ آور کی جیب سے نوٹ بک نکالی تھی، ہم ادھر آ گئے تھے۔ کیونکہ پہاڑیوں کے درمیان تم آسانی سے غائب ہو سکتے تھے۔ اب چاروں طرف میدان ہے اور یہاں ہم تمہیں غائب نہیں ہونے دیں گے۔"

"افسوس۔ نوٹ بک ہم میں سے کسی کے پاس نہیں ہے۔"

"یہ غلط ہے، جھوٹ ہے۔"

"تم تلاشی لے سکتے ہو۔" محمود نے پیش کش کی۔

"ہاں، ضرور۔ کیوں نہیں۔"

انھوں نے محمود اور فاروق کی جیبوں کی تلاشی لی۔ فرزانہ

کی قمیض میں جیب تھی ہی نہیں تو تلاشی کس طرح لیتے؛ تاہم اس کے بھی سر کے بالوں کو ٹٹول کر دیکھا۔ آخر ان میں سے ایک نے کہا:

"ہوں۔ نوٹ بک تو واقعی تم لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ چلو خیر۔ بتاؤ۔ اسے کہاں چھپا آئے ہو؟"

"جہاں، ہماری اور آپ لوگوں کی شاندار قسم کی جھڑپ ہوئی تھی۔ بس وہیں کہیں چھپا آئے ہیں، جا کر تلاش کر لو۔"

"کیا واقعی!" وہ چلا اٹھے۔

"ہاں، کیونکہ آپ لوگوں کی طرح ہمیں بھی معلوم تھا کہ آپ لوگ بھی نوٹ بک حاصل کیے بغیر نہیں مانیں گے، لہذا ہم نے اسے ایک جگہ چھپا دیا۔ اگر آپ لوگ اسے تلاش کر سکے تو وہ آپ کی۔ ورنہ ہماری۔"

"آؤ۔ جلدی کرو۔" ان میں سے ایک نے کہا اور تینوں نے اس سمت میں دوڑ لگا دی۔

"یہ تم نے کیا کیا محمود۔ اب وہ زخمی اجنبی کو پریشان کریں گے۔"

"وہ بے چارہ تو اب تک ویسے ہی بے ہوش ہو چکا ہو گا۔ ہم بہت جلد یہاں لوٹ کر آنے کی کوشش کریں گے۔ آؤ۔"

"لیکن۔ ہم ایسا کیوں نہ کریں کہ صرف ایک کسی پبلک فون

بوتھ تک جا کر مدد لے آئے۔ باقی دو اس جگہ کے آس پاس موجود رہیں۔"

" ترکیب اچھی ہے۔ میں مدد لے کر آتا ہوں۔ تم لوگ اس طرف روانہ ہو جاؤ۔" محمود بولا اور اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

" آؤ فاروق۔ ہم چلیں۔"

" اچھے بھلے شہر کا رُخ کر رہے تھے کہ ان کی ترکیب نے ٹانگ اڑا دی۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا اور پھر اس کے ساتھ چل پڑا۔

" اگر ایسا ہے تو تم بھی شہر چلے جاؤ۔ میں یہاں اکیلی ہی کافی ہوں۔"

" دیکھ لو۔ یہ پہاڑیاں اس وقت خونی پہاڑیاں بنی ہوئی ہیں۔"

" تو کیا ہوا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

" میں چلا تو جاتا۔ لیکن اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو ابا جان مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔ اس لیے نہیں جاؤں گا، ہاں۔" اس نے جلا کر کہا۔

" بس تو پھر صبر کرو۔ اور میرے ساتھ آگے بڑھتے رہو۔" فرزانہ مسکرائی۔

دونوں چٹانوں کی اوٹ لیتے آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہاں

تک کر اس جگہ پہنچ گئے جہاں انہوں نے نوٹ بک چھپائی تھی، لیکن آس پاس ان تینوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ وہ پتھر جوں کا توں موجود تھا جس کے نیچے نوٹ بک تھی۔ انہوں نے اس پتھر پر صرف ایک اچٹتی سی نظر ڈالی، کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ تینوں چھپ کر ان کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہے ہوں۔ اب وہ زخمی اجنبی کی طرف آئے۔ انہوں نے دیکھا، تینوں غنڈے اسے بُری طرح جھنجھوڑ رہے تھے:

" اے۔ آنکھیں کھولو۔ ورنہ ہم ان آنکھوں کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیں گے۔"

" یہ ظلم ہے۔" فاروق بول اُٹھا۔ وہ چونک کر مڑے۔

" اوہو۔ تم گئے نہیں:"

" جاتے کیسے۔ جب کہ پہلے ہی اندازہ لگا چکے تھے کہ تم لوگ انہیں پریشان کیے بغیر نہیں رہ سکو گے اور یہ بیچارے کچھ بتانے کے قابل نہیں ہیں۔ نوٹ بک کے بارے میں ہمیں اور صرف ہمیں معلوم ہے۔"

" اور تمہارا تیسرا ساتھی کہاں گیا؟"

" پولیس کا یہاں آنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ لہذا ہم میں سے ایک کو تو ضرور ہی شہر جانا پڑتا۔"

" ہوں۔ گویا ہمیں پولیس کے آنے سے پہلے پہلے نوٹ بک

تلاش کرنی ہے۔"

"مشکل ہے۔ تم اسے تلاش نہیں کر سکو گے۔"

"تو ہم دوسرا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ ان کی طرف جھپٹا۔ اس کے ساتھی بھی لپکے:

"اس کا کیا فائدہ۔ تم ہم سے پہلے بھی جھڑپ مول لے چکے ہو۔ اور دیکھ چکے ہو۔ ہم تمہاری نسبت کم پانی میں نہیں ہیں۔" فاروق نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"ویسے وہ حملہ آور کیا تمہارا ساتھی تھا؟"

"وہ پتا نہیں کون تھا اور کہاں سے آ کودا تھا۔" پہلے نے بُرا سا منہ بنایا۔ ساتھ ہی اس نے ایک مُکا تاک کر فرزانہ کی ناک پر مارا، فرزانہ بلا کی تیزی سے گھوم گئی اور اس طرح یہ مُکا اس کی کمر پر لگا، وہ لڑکھڑا ہی تو گئی۔ ادھر باقی دو فاروق پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ حملہ بھی انہوں نے دائیں اور بائیں سے کیا تھا، پہلے تو وہ بوکھلایا، لیکن پھر اچانک چھلانگ لگا کر ان کے درمیان سے نکل گیا۔

"فرزانہ! یہ لوگ اس طرح نہیں مانیں گے، ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا ہو گا جو ہم نے حملہ آور سے کیا تھا۔" اس نے غصے میں آ کر کہا۔

"ٹھیک ہے، لیکن غصے میں آنے کی کوشش نہ کرو۔ اس

طرح ہم اس سلوک سے بھی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔" یہ کہتے ہوئے فرزانہ نے جھک کر ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا لیا اور تاک کر اپنی طرف آنے والے پر مارا۔ اس نے پتھر کی زد سے بچنے کی بھرپور کوشش کی، لیکن اتفاق کی بات کہ اس کا پاؤں اس وقت ایک پتھر پر آ گیا۔ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ لڑکھڑایا اور ساتھ ہی پتھر اس کے بائیں کندھے پر لگا۔ وہ کندھا پکڑتے ہوئے گرتا چلا گیا۔ ادھر فاروق ایک پتھر اٹھا کر ہاتھ میں تول رہا تھا، دونوں دشمنوں کے اُٹھتے قدم رُک گئے۔ پھر ان میں سے بھی ایک نے جھک کر پتھر اٹھانا چاہا، تاکہ جوابی حملہ کر سکے، لیکن فاروق نے پتھر اس پر کھینچ مارا۔ وہ اس کی کمر پر لگا، منہ سے ایک چیخ نکل گئی اور وہ کمر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ تیسرے نے فاروق کو خالی ہاتھ دیکھ کر اس کی طرف چھلانگ لگائی۔ فاروق اس کی لپیٹ میں آ گیا، نتیجہ یہ کہ دونوں دھڑام سے گرے۔ اب فاروق اس کے نیچے تھا اور وہ اسے بُری طرح دبائے ڈال رہا تھا۔ اچانک حملہ آور کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ وہ دوسری طرف الٹ گیا۔ فاروق نے دیکھا۔ فرزانہ نے اس کے سر پر پتھر دے مارا تھا:

"خدا کا شکر ہے۔ ان لوگوں کی دھینگا مشتی سے بھی نجات ملی۔ آج کا دن تو واقعی گڑبڑ کا دن ہے۔" فاروق نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"اور ابھی تک ہمیں اس ساری گڑبڑ کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ بس اتنا جانتے ہیں کہ چکر ایک نوٹ بُک کا ہے، نوٹ بُک میں کیا ہے۔ یہ بات ہمارے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ یہ بات کچھ اچھی نہیں کہ ہمارے فرشتے لاعلم ہیں۔ بے چارے بُری طرح پیچ و تاب کھا رہے ہوں گے۔" فاروق بولا۔

اب تینوں لمبے لیٹے ہوئے تھے۔ ایسے میں فاروق ایک پر جھکا:

"یارو۔ کچھ تو بتاؤ۔ اس نوٹ بُک میں آخر ہے کیا؟"

لیکن یار بے چارے اس پوزیشن میں کہاں تھے کہ اسے کچھ بتا سکتے۔ وہ اجنبی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لیکن وہ بھی ہوش میں نہیں تھا۔ پھر جو مُڑ کر ان کی طرف دیکھا تو وُہ غائب تھے، دُم دبا کر بھاگ نکلے تھے، اس طرح کہ انہیں پتا بھی نہ چلا۔ آخر محمود، اکرام اور پولیس کو لے کر آ گیا، اجنبی کو ہسپتال پہنچانے کا انتظام ہو جانے کے بعد وہ اپنی موٹر سائیکلوں کی طرف آئے۔ لمبا حملہ آور بھی غائب ہو چکا تھا۔ اس کی جیپ جوں کی توں کھڑی تھی۔

اب وہ نہایت تیزی سے گھر کا رُخ کر رہے تھے۔ ایک

پولیس جیپ حفاظت کی خاطر ان کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ یہ انہوں نے نوٹ بُک کی حفاظت کے لیے ساتھ لی تھی۔ گھر کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا، گھنٹی کا بٹن دبایا تو بیگم جمشید نے دروازہ کھول دیا اور انہوں نے جیپ کو جانے کا اشارا کر دیا۔ اندر داخل ہو کر دروازہ بند کیا، ساتھ ہی محمود بولا:

"امّی جان۔ ابّا جان آ چکے ہیں یا نہیں؟"

"ابھی تو نہیں آئے۔ کیوں خیر ہے۔ ارے یہ تمہارے حلیوں کو کیا ہوا۔ کپڑوں کا کیا حال بنا رکھا ہے؟"

"جی۔ یہ ہم نے نہیں۔ چار عدد دشمنوں نے بنایا ہے۔" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔

"انکل اکرام نے بتایا تھا کہ ابّا جان دفتر سے کافی دیر پہلے چلے آئے تھے۔ لیکن وہ یہاں نہیں آئے، اس کا مطلب ہے، وہ کہیں اور گئے ہوئے ہیں۔ اب ہم کیا کریں۔" محمود جلدی جلدی بولا۔

"انتظار۔ سوائے انتظار کے ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

عین اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔ ان کے چہرے کھل اُٹھے۔ محمود دروازے کی طرف دوڑا۔ اور دروازہ کھول ڈالا۔ باہر انسپکٹر جمشید کھڑے مسکرا رہے تھے۔ پھر انہوں نے اندر داخل

ہونے کے بعد دروازہ بند کیا اور پُرسکون آواز میں بولے:

" لاؤ۔ وُہ نوٹ بُک مجھے دو۔"

○

ان کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ تینوں نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا، پھر محمود نے کہا:

" آ۔ آپ کو نوٹ بُک کے بارے میں کس طرح معلوم ہو گیا؟"

" کیا تم بھول گئے۔ پہاڑیوں پر میں نے ہی تم لوگوں کو بھیجا تھا، وُہ بھی ٹھیک چار بجے۔"

" ہاں، اس پر تو ہمیں اب تک حیرت ہے۔ آخر آپ کو یہ بات کس طرح معلوم تھی کہ وہاں ایک عدد گڑبڑ ہو گی؟"

" اتفاق سے معلوم تھا۔ اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔ نوٹ بُک مجھے دو۔" وُہ مسکرا کر بولے۔

" لیجیے۔ نوٹ بُک یہ رہی، لیکن کیا آپ ہمیں نہیں بتائیں گے۔ آپ کو اتفاق سے یہ بات کس طرح معلوم تھی۔" فاروق نے بے تابانہ کہا۔

" ہاں۔ کیوں نہیں بتاؤں گا، لیکن اس سے پہلے ہم چائے پیئیں گے۔" وہ بولے۔

" میں ابھی لائی۔" بیگم جمشید نے کہا اور باورچی خانے کی طرف چلی گئیں۔

" تو کیا ابا جان۔ آپ بھی پہاڑیوں پر ہی کہیں موجود تھے؟" فرزانہ نے پوچھا۔

" نہیں۔ میں وہاں نہیں تھا، لیکن مجھے اُمید تھی کہ تم لوگ نوٹ بُک حاصل کیے بغیر نہیں لوٹو گے۔"

" اللہ کا شکر ہے، ہم آپ کی اُمید پر پورے اُترے۔" فاروق بولا۔

" کل مجھے ایک ہوٹل میں جانا پڑا تھا، ہوٹل کے بارے میں کچھ غلط قسم کی خبریں موصول ہوئی تھیں۔ سننے میں آیا تھا کہ اس ہوٹل میں غیر ملکی جاسوسوں کا اُٹھنا بیٹھنا ہے۔ میں نے سوچا کیوں نہ نہایت خاموشی سے جائزہ لیا جائے۔ چنانچہ میں نے اپنا حلیہ تھوڑا بہت تبدیل کیا اور ہوٹل میں پہنچ گیا۔ پھر اخبار میں اس طرح گم ہو گیا جیسے دُنیا کا کوئی کام نہ ہو، لیکن کان اِدھر اُدھر کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔ آخر تین غنڈہ صورت آدمی میرے نزدیک ہی ایک میز پر آ بیٹھے۔ ان کی باتیں سُن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا:

' اطلاع یہ ہے کہ ایک شخص ٹھیک چار بجے شام مشرقی پہاڑیوں پر پہنچے گا۔ ایک دوسرا آدمی نوٹ بُک اس سے وصول کرے گا۔

اور دونوں اپنا راستہ لیں گے ۔ لیکن ہمیں حکم یہ ہے کہ وہ نوٹ بک ہمیں حاصل کرنا ہے۔'

' تو ٹھیک ہے، اس میں کیا مشکل ہے۔ ہم حاصل کر لیں گے ۔ جونہی وہ نظر آئے گا ۔ ہم اس سے نوٹ بک چھین لیں گے ۔ متعلقہ آدمی سے بھی نبٹ لیں گے ۔ وہ دونوں ہماری طرف سے بے خبر ہوں گے ۔ اس لیے ہم نہایت آسانی سے ان پر قابو پا لیں گے۔'

' بس ٹھیک ہے:'

یہ تھی وہ گفتگو جو میں نے سُنی ۔ میں نے ہوٹل کے جائزے کا پروگرام ملتوی کر دیا ۔ اور پہلے اس معاملے کی طرف توجہ دینے پر مجبور ہو گیا ۔ ذہن میں سوال گونجا ۔ یہ کس قسم کی نوٹ بک ہے ۔ جو اس پُر اسرار طریقے سے کسی دوسرے کے حوالے کی جائے گی ۔ لیکن یہ لوگ اسے حاصل کرنے کا پروگرام بنا چکے ہیں ۔ آخر اس میں ہے کیا ۔ انہوں نے یہ گفتگو بہت دبی آواز میں کی تھی ، لیکن اس وقت شاید میرے کانوں میں فرزانہ کے کانوں کی رُوح حلول کر گئی تھی ۔ چنانچہ میں نے یہ بالکل صاف سُن لی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" جی ۔ کانوں کی رُوح ۔ یہ ۔ یہ تو ابّا جان ۔ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

" تو اس میں بوکھلانے کی کیا بات ہے۔" فرزانہ نے بُرا سا منہ بنایا ۔

" اور تم سے منہ بنانے کے لیے کہہ کون رہا ہے۔" فاروق نے جھنجلا کر کہا۔

" اچھا بابا ۔ ختم کرو ، ہاں تو ابا جان ۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے صرف ہمیں وہاں کیوں بھیجا ۔ آپ بھی اگر ہمارے ساتھ گئے ہوتے تو کتنی آسانی رہتی۔"

" میں نے چھپ کر ساری کارروائی دیکھنے کا پروگرام بنایا تھا، میں تمہارے فوراً بعد گھر سے روانہ ہوا تھا ، لیکن افسوس پہاڑیوں تک نہیں پہنچ سکا ۔ اب مجھے کیا معلوم تھا کہ راستے میں میری مُلاقات ایک لاش سے ہو جائے گی۔"

" لاش سے مُلاقات ۔ ارے باپ رے ۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا ۔

" ہاں ہاں ۔ کہہ دو ۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" فرزانہ جل کر بولی ۔

" ہونے کو اس دُنیا میں کیا نہیں ہو سکتا۔"

" ابّا جان ۔ آپ کیا کہہ رہے تھے ۔ راستے میں آپ کی مُلاقات ایک عدد لاش سے ہو گئی۔" محمود نے دونوں کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

" ہاں ! اس میں ابھی کچھ جان باقی تھی ، اس لیے میں اسے اٹھا کر ہسپتال لے گیا - اور تم تک نہ پہنچ سکا ۔"

" ہوں ، اور وہ لاش کس کی تھی - کیا اسے کسی نے ہلاک کیا ہے " فرزانہ بولی ۔

" ہاں ! اس کے سر پر پتھر مارا گیا ہے - یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ تھا کون ۔"

" تھا کون ، گویا وُہ مر چکا ہے ۔" فاروق بڑبڑایا ۔

" اگر مر نہ چکا ہوتا تو ابا جان اسے کبھی لاش کا نام نہ دیتے ۔" محمود نے کہا ۔

" ہاں ، یہ بھی ٹھیک ہے -" فرزانہ بولی ۔

" ہسپتال پہنچتے ہی اس نے دَم توڑ دیا تھا - تھوڑی دیر تک اکرام اس کے بارے میں معلومات حاصل کر کے یہاں پہنچ جائے گا -"

" میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی - وہ حملہ آور کون تھا — جس نے اجنبی سے نوٹ بُک چھینی تھی - اگر وُہ وہی شخص تھا ، جسے اجنبی سے نوٹ بُک حاصل کرنا تھی ، تب تو اجنبی اسے خود ہی نوٹ بُک دے دیتا - اس کا مطلب ہے - اصل آدمی وہاں نہیں پہنچ سکا - حملہ آور اور وہ تینوں یا تو آپس میں ساتھی تھے یا پھر ایک دوسرے کے مخالف اور اس حملہ آور کو بھی کسی طرح نوٹ بُک

کے بارے میں معلوم ہو گیا تھا ۔"

" ہوں - کچھ ایسی ہی بات معلوم ہوتی ہے ۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے ۔

" تب پھر اصل آدمی کہاں گیا ۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا ۔

" کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا - یہ ہو کیا رہا ہے - ارے ہاں - سب سے پہلے تو نوٹ بُک کو دیکھنا چاہیے - اسے تو ہم بھول ہی گئے ۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا ۔

" بُھول گئی ہو گی تم - ہم کیوں بھولتے ۔" محمود نے منہ بنایا اور نوٹ بک نکال کر اپنے والد کی طرف بڑھا دی - سیاہ چمڑے کی جلد والی یہ نوٹ بک بہت پتلی دبلی سی تھی - گویا بہت تھوڑے صفحات والی تھی - انہوں نے اس کی ورق گردانی شروع کی اور پھر تھکے تھکے انداز میں بولے :

" لو بھئی - تم بھی دیکھ کر شوق پورا کر لو ۔"

" جی کیا فرمایا - شوق پورا کر لیں ؟"

" ہاں ، میرا مطلب ہے - تم اسے دیکھے بغیر رہ نہیں سکو گے - جبکہ دیکھنے کا فائدہ کوئی نہیں ہے ۔"

" آخر ایسی کیا بات ہے ۔" محمود بے چین ہو کر بولا اور نوٹ بک ان کے ہاتھ سے لے لی ، اب وہ تینوں ایک دم نوٹ بک پر جھکے - اور یہ بھول گئے کہ ایسے موقعوں پر ان کے سر ٹکرا جایا کرتے ہیں ؛

چنانچہ سر ٹکرائے اور خوب زور سے ٹکرائے ۔ انسپکٹر جمشید نے بُرا سا منہ بنایا ، ادھر بیگم جمشید باورچی خانے سے بول اٹھیں :

" اوہو ۔ پھر کچھ توڑ دیا انہوں نے ۔"

" ہاں بیگم ۔ بس ذرا اپنے سر توڑ لیے ۔" وہ بولے ۔

وہ کچھ نہ بولے ۔ ایک دوسرے کو کھا جانے والی نظروں سے گھورنے کے بعد آخر نوٹ بُک کی طرف متوجہ ہو گئے ۔ انہوں نے دیکھا ۔ نوٹ بُک کے اکثر صفحات پر لکیریں سی کھینچی گئی تھیں ۔ کسی صفحے پر تحریر نام کی کوئی چیز نظر نہ آئی ۔

" یہ ۔ یہ کیا ابّا جان ۔" فرزانہ حیران ہو کر بولی ۔

" یہ ۔ نوٹ بک ہے بھئی ۔" وہ مسکرائے ۔

" مم میرا ۔ مطلب ہے ۔ اس میں تو صرف لکیریں سی کھینچی گئی ہیں ۔"

" ہاں ، اسی لیے میں نے کہا تھا ۔ تم بھی شوق پورا کر لو ۔"

" لیکن ان لکیروں کا کیا مطلب ، اور اگر اس میں صرف لکیریں ہی تھیں تو اس کی خاطر اتنا ہنگامہ کیوں ہوا ۔" فرزانہ بولی ۔

" کیا خبر ۔ اجنبی نے اصلی نوٹ بُک کہیں اور چھپا رکھی ہو ۔ اور یہ نوٹ بُک نقلی ہو ۔" محمود نے خیال ظاہر کیا ۔

" اگر یہ نقلی ہوتی تو اجنبی ہمیں ضرور یہ بات بتا دیتا ۔ اس نے

تو ہر ممکن کوشش کی تھی کہ نوٹ بُک ہم لے جانے میں کامیاب ہو جائیں ۔"

" جہاں تک میرا خیال ہے ۔ اس نوٹ بُک میں اشاراتی تحریر میں کچھ لکھا ہے ۔"

" اشاراتی تحریر ۔ ابّا جان ۔ اشاراتی زبان تو ہم نے سُنا تھا ۔ تحریر کے بارے میں کبھی نہیں سُنا ۔" فرزانہ بولی ۔

" اشاراتی تحریر بھی ہوتی ہے اور تم یہ سُن کر خوش ہو گے کہ ہمارے مُلک میں صرف ایک آدمی ایسا ہے جو اشاراتی زبان کو سمجھ سکتا ہے ۔"

" اوہو اچھا ۔ یہ کیا بات ہوئی ۔ آخر ایسا صرف ایک آدمی کیوں ہے ، اب اگر اسے کچھ ہو جائے تو ۔" فرزانہ حیران ہو کر بولی ۔

" ارے ۔ نہیں ۔ نہیں ۔" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے ۔

" کیا ہوا ابّا جان ۔ خیر تو ہے ۔" محمود بوکھلا اُٹھا ۔

" تم دونوں فوراً پروفیسر صوبام کی طرف روانہ ہو جاؤ ۔ جو لوگ اس نوٹ بُک کے بارے میں جانتے ہیں ، انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہم اس نوٹ بُک میں لکھی تحریر کو پروفیسر صوبام سے پڑھوانے کی کوشش ضرور کریں گے ۔ لہٰذا کہیں ان کی زندگی خطرے میں نہ ہو ۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا ۔

" کیا !" وہ اچھل پڑے ۔۔۔

"ہاں۔ جلدی کرو۔"

"لیکن آپ بھی ساتھ ہی کیوں نہیں چلتے۔" محمود حیران ہو کر بولا۔

"میں اکرام کا انتظار کروں گا۔ جونہی وہ آیا یا اس کی طرف سے رپورٹ موصول ہوئی۔ میں بھی آ جاؤں گا۔ فرزانہ کو اس لیے تم لوگوں کے ساتھ نہیں بھیج رہا ہوں کہ اس معاملے میں بات چیت جاری رکھنے کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔"

"بہت بہتر۔ تو ہم چل دیے۔" محمود نے اٹھتے ہوئے کہا فاروق نے اس کا ساتھ دیا۔ دونوں فوراً دروازے کی طرف چل پڑے۔

"عجیب احمق ہیں ہم دونوں۔" اچانک محمود رکتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب۔ ہم دونوں اور عجیب احمق۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم نے ابا جان سے پروفیسر صوبام کا پتا تو پوچھا نہیں اور چل پڑے ہیں۔"

"ارے ہاں۔ حد ہو گئی۔"

"میں خود بھی بھول گیا۔ وہ دل شاد کالونی کی تیسری سڑک پر رہتے ہیں، ان کی کوٹھی کا نمبر ۱۵ ہے۔"

"شکریہ ابا جان۔ بس یوں سمجھیے۔ ہم وہاں پہنچ گئے۔"

"کس طرح سمجھ لیں۔ جب کہ تم ابھی تک یہیں نظر آ رہے ہو۔" فرزانہ جل کر بولی۔

"جلنا بھننا تو گویا تمہاری گھٹی میں پڑا ہے۔" فاروق نے بھنّا کر کہا اور دروازے سے نکل گئے۔

"واپسی پر نبٹوں گی تم سے۔" فرزانہ نے ہانک لگائی۔

لیکن انہوں نے تو جیسے سنا ہی نہیں۔ ان پر تو بس اب ایک ہی دھن سوار ہو چکی تھی کہ کسی طرح پروفیسر صوبام تک پہنچ جائیں۔ دونوں ایک ہی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر دل شاد کالونی کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ کالونی کافی فاصلے پر تھی:

"اب اگر دشمن ہم سے پہلے پروفیسر تک پہنچ گئے تو ہم نوٹ بک کی تحریر کس طرح جان سکیں گے۔ جب کہ پورے ملک میں اس قسم کی تحریر ان کے علاوہ کوئی نہیں پڑھ سکتا۔" محمود فکر مندانہ لہجے میں بولا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ابا جان کو دیر سے خیال آیا ہے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"یہ تو نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ نوٹ بک دیکھنے کے ایک آدھ منٹ بعد ہی انہیں اس بات کا خیال آ گیا تھا۔ ہاں، اس سے پہلے ہماری بحث کی وجہ سے ضرور کچھ وقت ضائع ہوا ہے، اس وقت تک انہوں نے نوٹ بک دیکھی ہی نہیں تھی۔"

" اور کچھ وقت تم موٹر سائیکل کو آہستہ چلا کر ضائع کر رہے ہو۔"

" تو کیا میں اندھا دھند چلانا شروع کر دوں؟" وہ بھنا اُٹھا۔

" نن۔نہیں۔اندھا دھند چلانے سے تو ذرا پرہیز ہی کرنا اور ہاں۔بھولے سے بھی اس وقت دھت تیرے کی نہ کہنا، کیونکہ اس کے لیے ران پر ہاتھ بھی مارنا ہوگا اور ایسا کرنے کے لیے تمہیں ہینڈل پر سے ہاتھ اٹھانا ہوگا۔"

" اچھا۔زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔میں ایک ہاتھ سے بھی ہینڈل سنبھال لیتا ہوں۔" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

" اور ہم سے ایک غلطی اور ہوئی۔وُہ نوٹ بُک وہیں چھوڑ آئے، وُہ ساتھ لے آنی چاہیے تھی، تاکہ فوراً ہی پروفیسر صوبام کو اس کے ترجمے پر لگا دیتے۔"

" یہ چیز ابا جان کی بھی نظر میں رہی ہو گی۔اگر وُہ اس میں کوئی خطرہ نہ محسوس کرتے تو ضرور ہم سے نوٹ بُک ساتھ لے آنے کے لیے کہہ دیتے۔گویا نوٹ بُک وہ خود ساتھ لے کر آئیں گے۔حفاظت کا تقاضا یہی تھا۔"

" ہوں۔یہ بھی ٹھیک ہے۔لیکن کیا ہم بلاوجہ نہیں ڈر رہے؟"

" تم اس اصلی آدمی کو کیوں بھول رہے ہو، جسے نوٹ بُک حاصل کرنا تھی۔"

" لو۔ہم دل شاد کالونی پہنچ گئے۔" محمود نے کہا۔

جلد ہی وُہ تیسری سڑک پر پندرھویں کوٹھی تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔یہ ایک منزلہ چھوٹی سی کوٹھی تھی۔البتہ تھی بہت خوب صورت۔دونوں موٹر سائیکل سے اُترے۔محمود نے آگے بڑھ کر دروازے کی گھنٹی بجائی۔ایک منٹ گزر گیا، لیکن کسی نے آکر دروازہ نہ کھولا:

" خدا خیر کرے۔اندر کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو گئی۔" یہ کہتے ہوئے اس نے دوسری مرتبہ بٹن پر اُنگلی رکھ دی اور کئی سیکنڈ تک نہ ہٹائی۔اچانک اندر قدموں کی آواز سُنائی دی:

" ہوشیار فاروق۔آنے والا دشمن بھی ہو سکتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وُہ دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔فاروق دروازے کے دوسری طرف دیوار سے لگ گیا۔اسی وقت قدموں کی آواز دروازے کے بالکل قریب آکر رُک گئی اور پھر دروازہ کھُلا، ساتھ ہی کسی نے کہا:

" ارے۔یہاں تو کوئی بھی نہیں۔تو پھر گھنٹی کیا جن بھوت بجا رہے تھے؟"

آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔اس سے پہلے کہ دروازہ بند کر دیا جاتا، محمود سامنے آ گیا اور بولا:

" معاف کیجیے گا جناب۔گھنٹی میں نے بجائی تھی۔"

"ارے باپ رے۔" دروازے کے دوسری طرف بوڑھا سا آدمی خوف سے اُچھل پڑا۔ عینک نیچے گر گئی۔ وہ تیزی سے جھکا اور اندھوں کی طرح عینک تلاش کرنے لگا۔

"لیجیے۔ یہ رہی آپ کی عینک۔" فاروق نے عینک اٹھا کر اسے تھما دی۔

"شش۔ شکریہ۔ تت۔ تم کون ہو؟"

"آپ سے ملنے آئے ہیں۔ پہلی مرتبہ گھنٹی بجائی تو کوئی صاحب دروازہ کھولنے نہ آئے۔ اس لیے دوبارہ ذرا زیادہ دیر تک بجانا پڑی۔ آپ نے بُرا تو مانا ہو گا۔"

"نہیں۔ مان ہی نہیں سکتا تھا۔" اس نے پُرزور انداز میں سر ہلایا۔

"کک۔ کیوں۔ مان کیوں نہیں سکتے تھے۔ بُرا ماننا کیا مشکل ہے۔ ہم تو بات بات پر بُرا مانتے ہیں۔ اور بُرے بُرے منہ بناتے ہیں۔" فاروق حیران ہو کر بولا۔

"یہ۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ آخر تم ہو کون؟"

"اندر چلیے۔ یہاں کھڑے رہ کر بات چیت کرنا خطرناک ہے۔"

"خطرناک ہے۔ کیا مطلب!"

"جی بس۔ خطرناک کا مطلب تو خطرناک ہی ہوتا ہے۔" فاروق

نے فوراً کہا۔

"اچھا ہوتا ہو گا۔ آؤ اندر۔ دیکھ لیتا ہوں تم کو۔" اس نے بھنا کر کہا اور انہیں راستہ دیا۔

دونوں اندر داخل ہو گئے۔

"ڈرائنگ روم میں دو ملاقاتی پہلے سے موجود ہیں۔ اس لیے میں تم لوگوں کو اپنے کمرے میں لیے چلتا ہوں۔ ان سے باتیں کر رہا تھا۔ اسی لیے گھنٹی کی آواز نہیں سُن سکا۔ میں ذرا اونچا سنتا ہوں، لہذا بُرا کیوں مانتا۔"

"تت۔ تو کیا ملاقاتی بھی اونچا سنتے ہیں۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"پپ۔ پتا نہیں۔ ابھی تو میں ان سے اپنا تعارف ہی کرا پایا تھا کہ گھنٹی کی آواز سنائی دے گئی۔ انہیں جوں کا توں چھوڑ کر میں تم لوگوں کے پاس چلا گیا۔ لہذا آؤ۔ میرے کمرے میں اور جلدی سے بتاؤ۔ کیا بات ہے۔"

"چلیے۔ ہم بہت جلدی سے بتانے کی پوری کوشش کریں گے، یہ اور بات ہے کہ اس کوشش میں بُری طرح ناکام ہو جائیں۔" فاروق بولا۔

"تمہاری آواز نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دی ہیں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تمہارا ساتھی بات کرے۔" پروفیسر نے بھنا کر کہا۔

" بالکل مناسب رہے گا، میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ یہ حضرت جب بولتے ہیں تو ان کی زبان رکنے کا نام نہیں لیتی، اب صرف میں بات کروں گا۔" محمود جلدی جلدی بولا۔

فاروق نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا، لیکن منہ سے کچھ نہ بولا۔ اتنے میں وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوئے۔ محمود تیزی سے مڑا اور دروازے کی چٹخنی لگا دی:

" یہ۔ یہ کیا۔ تم نے دروازہ اندر سے بند کیوں کیا؟" پروفیسر نے گھبرا کر کہا۔

" اس لیے کہ باہر سے بند کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔" فاروق بول اٹھا۔

" تم پھر بولے۔" اس نے چیخ کر کہا۔

" اوہ۔ مجھے افسوس ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

" ہاں۔ تم بتاؤ۔ دروازہ کیوں بند کیا؟"

" اس لیے جناب کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

" یہ کیا بات ہوئی، دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

" اس میں کوئی شک نہیں جناب کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

" اب شاید۔ اس کے ساتھ تمہارا بھی دماغ چل گیا۔"

" ایسی کوئی بات نہیں۔ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" محمود ڈرے ڈرے انداز میں بولا۔

" اچھا خیر۔ ہوتے ہوں گے۔ مجھے کیا۔ اب بتاؤ بات کیا ہے۔"

" بات دراصل یہ ہے پروفیسر صاحب۔"

محمود کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی تھی ——

کمرے میں

"کک-کیا بات ہے- باہر دروازے پر کون ہے؟"

"یہ ہم ہیں پروفیسر صاحب- آپ کے ملاقاتی- آپ دروازے پر دیکھنے گئے تھے کہ کون آگیا ہے، لیکن پھر واپس ہمارے پاس نہیں آئے- آخر کیوں- اور یہ آپ بند کمرے میں کیا کر رہے ہیں- کیا آپ کو کوئی خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔" باہر سے آواز آئی—

"خخ- خطرہ- پپ- پتا نہیں- میں کچھ کہہ نہیں سکتا-"

"جی کیا مطلب!" باہر سے حیران ہو کر کہا گیا۔

"ٹھہریے- ابھی بتاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ ان کی طرف مڑا:

"ہاں بھئی- اب بتاؤ- تم لوگ کس طرح آئے ہو-"

"پہلے تو آپ ان لوگوں سے کہہ دیں- ڈرائنگ روم میں چل کر بیٹھیں- ان کا دروازے پر کھڑے رہنا مناسب نہیں، پھر ہم بات بتائیں گے۔" محمود بولا۔

"اچھا۔" اس نے کہا اور پھر قدرے بلند آواز میں کہا۔

"مسٹر ہارڈنگ اور مسٹر لوناف- آپ دونوں ڈرائنگ روم میں تشریف رکھیے- میں ابھی آتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" باہر سے کہا گیا اور پھر قدموں کی آواز سنائی دی- جلد ہی آواز بند ہو گئی۔

"مسٹر ہارڈنگ- کیا آپ جا چکے ہیں۔" محمود دبی آواز میں بولا—

"عجیب ہو تم بھی- اگر وہ جا چکے ہیں تو جواب کس طرح دیں گے۔" فاروق دبی آواز میں بولا۔

"اگر نہیں گئے ہوں گے، تب تو بول سکیں گے۔" محمود نے کہا—

"تم دونوں اس وقت تک میری اُلجھن میں بہت اضافہ کر چکے ہو- اب اور اضافہ برداشت نہیں کر سکتا- لہٰذا جلد بتاؤ، بات کیا ہے۔"

"پہلے تو تعارف ہو جائے- میں محمود ہوں اور یہ فاروق۔" محمود نے کہا—

"چلو ہو گیا تعارف- آگے کہو۔" اس نے منہ بنایا۔

"آپ ہمارے نام سُن کر چونکے نہیں۔"

"کیوں- اس میں چونکنے کی کیا بات ہے؟"

"ہماری ایک بہن بھی ہے۔ اس کا نام فرزانہ ہے۔"

"اچھا تو پھر۔ یہ بتانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔"

"محمود، فاروق اور فرزانہ۔ یہ تینوں نام سن کر بھی آپ کو کوئی خیال نہیں گزرا۔" فاروق بھنا اٹھا۔

"اوہو۔ اب میں سمجھا۔ تم تینوں انسپکٹر جمشید کے بچے ہو۔" اس نے چونک کر کہا۔

"خدا کا شکر ہے۔ آپ سمجھے تو۔"

"ارے باپ رے۔ تم لوگ میرے پاس کیوں آئے؟" پروفیسر نے بوکھلا کر کہا۔

"آپ کو خطرے سے خبردار کرنے۔"

"کک۔ کیسا خطرہ۔"

"ایک انجانا خطرہ۔ تفصیلات ابھی ہم بھی نہیں بتا سکتے۔" محمود نے کہا۔

"تم لوگ مجھے ڈرائے دے رہے ہو۔ جلدی بتاؤ۔ کیا بات ہے؟"

اسی وقت دروازے پر زوردار انداز میں ہاتھ مارا گیا۔ پھر ہارڈنگ کی آواز سنائی دی:

"پروفیسر صاحب۔ یہ کیا بات ہوئی۔ ہم آپ سے ملنے آئے اور آپ بعد میں آنے والے ملاقاتیوں کے ساتھ کمرے میں بند

ہو گئے۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔"

"اچھا تو پھر آپ کسی اور وقت آ جائیے گا۔" محمود بول اٹھا۔

"ارے ارے۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔" پروفیسر نے بوکھلا کر کہا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اس وقت آپ کسی سے بھی نہیں مل سکتے، دروازہ نہیں کھول سکتے۔"

"آخر کیوں۔ ایسی کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔"

"آپ کو نہیں معلوم۔ لیکن ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"کیا جانتے ہو۔"

"یہ کہ آپ کی زندگی زبردست خطرے میں ہے اور ہم اسی سلسلے میں آپ کے پاس آئے ہیں۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ آخر یہ سب کیا ہے۔ بھلا کوئی مجھے کیوں مار ڈالنا چاہے گا، میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔"

"یہ کوئی کم بات نہیں کہ پورے مُلک میں صرف آپ ہی اشاراتی زبان سمجھ سکتے ہیں۔" محمود نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ میں واقعی اس کام کا ماہر

ہوں، لیکن اس وقت یہ سوال کہاں سے آ کودا؟"

"یہ تو ہمیں بھی معلوم نہیں۔ ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ آپ خطرے میں ہیں۔"

"آپ نے جواب نہیں دیا پروفیسر صاحب۔" باہر سے ہارڈنگ چلّا کر بولا۔

"بھئی ذرا صبر کرو۔ یا آپ پھر کسی وقت آ جائیے گا۔"

"یہ۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔" باہر سے لوناف نے کہا۔

"کیوں۔ ہو کیوں نہیں سکتا۔" فاروق بولا۔

"ہمیں ان سے بہت ضروری کام ہے۔"

"تو پھر ڈرائنگ روم میں انتظار کریں، ہمیں ان سے آپ سے بھی زیادہ ضروری کام ہے۔" محمود نے تقریباً چیخ کر کہا۔

عین اسی وقت بیرونی دروازے پر کسی نے گھنٹی بجائی۔

وہ چونک اٹھے۔

○

"ارے۔ یہ اور کون آ گیا۔" پروفیسر کے منہ سے نکلا۔

"اللہ کو ہی معلوم ہے۔ کون آ گیا ہے۔" فاروق بڑبڑایا۔

"مسٹر ہارڈنگ۔ ذرا دروازے پر جا کر دیکھیں۔ اب کون آیا

ہے۔" محمود نے کچھ سوچ کر کہا۔

"م۔ میں جا کر دیکھوں۔" ہارڈنگ نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"چلیے خیر۔ آپ نہیں جا سکتے تو اپنے ساتھی مسٹر لوناف کو بھیج دیں۔"

"ہم تمہارے نوکر نہیں ہیں۔" لوناف نے غرّا کر کہا۔

"تب پھر یہ بات کس طرح معلوم ہو سکے گی کہ باہر کون ہے۔"

"خود باہر نکل کر معلوم کر لو۔"

"افسوس۔ ہم اس وقت باہر نکلنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔" فاروق نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"ہاں بالکل۔ آپ میں سے ہی کسی کو جانا پڑے گا۔"

اسی وقت دوبارہ گھنٹی بجائی گئی اور اس مرتبہ انہوں نے صاف محسوس کیا کہ انداز ان کے والد کا ہے۔ پہلے شاید انہوں نے انداز بدل کر گھنٹی بجائی تھی۔ یہ گھنٹی سن کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"ہم میں سے کوئی نہیں جائے گا۔" ہارڈنگ نے کہا۔

"اور ہم بھی نہیں جا سکتے، کیونکہ دروازہ بند کیے بیٹھے ہیں۔" محمود بے فکری کے عالم میں بولا۔

" ٹھہرو بھئی ۔ اس جھگڑے کا خاتمہ میں کیے دیتا ہوں۔ بیرونی دروازہ میں کھولوں گا۔" یہ کہہ کر پروفیسر دروازے کی طرف بڑھا۔ محمود فوراً اس کے سامنے آگیا اور جلدی سے بولا :

" ارے ارے ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں ۔ ہم آپ کی جان بچانے کی فکر میں ہیں اور آپ خود کو خطرے میں ڈالنے کے چکر میں ۔"

" مجھے کوئی خطرہ وطرہ نہیں ۔ تم لوگوں کو وہم ہوا ہے ۔ آخر کوئی مجھے کیوں ہلاک کرنا چاہے گا۔" پروفیسر چیخ کر بولا۔

" ہاں بالکل ۔ بھلا کسی کو کیا ضرورت ہے ۔ آپ کو ہلاک کرنے کی۔" ہارڈنگ نے بھی بلند آواز میں کہا۔

" اور کیا ۔ یہی تو میں کہتا ہوں۔"

عین اسی وقت تیسری مرتبہ پھر گھنٹی بجائی گئی۔

" اب مجھ سے رہا نہیں جاتا ۔ میں دروازہ کھول کر رہوں گا۔"

یہ کہہ کر پروفیسر نے محمود کو ایک زور دار دھکا دیا۔ محمود سوچ بھی نہیں سکتا تھا ۔ کہ پروفیسر اسے دھکا دے دے گا اور اگر دے بھی دے گا تو وہ اس کا دھکا برداشت نہیں کر سکے گا ۔ اسے تو یہ احساس اس وقت ہوا جب وہ زمین پر گر چکا تھا ؛ تاہم اسی وقت فاروق حرکت میں آیا اور کمر کی طرف سے اپنے دونوں بازو پروفیسر کے گرد ڈال دیے ۔ اب پروفیسر اگرچہ

دروازے کی طرف کھسک سکتا تھا، لیکن چٹخنی گرانے کے لیے ہاتھ اوپر نہیں اٹھا سکتا تھا۔

" ٹھیک ہے فاروق ۔ انہیں اسی طرح پکڑے رہو۔" محمود نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

" لیکن کب تک ۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

" اس وقت تک ۔ جب تک کہ یہ دروازہ کھولنے کا ارادہ ترک نہ کر دیں۔"

" یہ تو بہت لمبا پروگرام ہو گیا ۔ دوسری طرف صورتِ حال یہ ہے کہ پروفیسر صاحب اگرچہ بوڑھے ہیں، لیکن ہیں طاقتور۔"

" اوہ اچھا ۔ ٹھہرو۔" محمود نے کہا اور پروفیسر کے سامنے آتے ہوئے سرد آواز میں بولا :

" جناب ! ہم آپ کی جان بچانے کی فکر میں ہیں اور آپ ہیں کہ ہماری ہر کوشش کو ناکام بنائے دے رہے ہیں ۔ ذرا یہ تو بتائیے ، یہ دونوں صاحبان کس لیے آپ سے ملنے آئے ہیں ؟"

" ایک تحریر پڑھوانے کے لیے ۔ اشاراتی زبان کی تحریر ۔ ابھی انہوں نے اس سلسلے میں مجھ سے بات کی ہی تھی کہ تم لوگوں نے گھنٹی بجا دی۔" پروفیسر نے تلملائے ہوئے لہجے میں کہا۔

" ٹھہریے ۔ میں ان سے بات کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر محمود دروازے سے جا لگا اور بلند آواز میں بولا :

" مسٹر ہارڈنگ اور مسٹر لوناف ۔ آپ دونوں پروفیسر صاحب سے اشاراتی زبان میں لکھی ایک تحریر پڑھوانے کے لیے آئے تھے، کیوں ۔ یہی بات ہے نا ۔"

" ہاں !" ہارڈنگ کی پھاڑ کھانے والی آواز نکلی۔

" تو آپ وہ تحریر دروازے کے نیچے سے اندر سرکا دیں۔ پروفیسر صاحب ابھی پڑھ کر آپ کو سُنا دیتے ہیں۔"

" ہم نہیں جانتے ۔ تم لوگ کون ہو ۔ اور تحریر کا معاملہ ذرا رازدارانہ ہے ۔" ہارڈنگ بولا ۔

" آپ فکر نہ کریں ۔ ہم اپنے کان بند کر لیں گے۔" فاروق نے جلدی سے کہا ۔

" یہ کیا بات ہوئی ۔" باہر سے کہا گیا ۔

اسی وقت فاروق کو ایک زور دار جھٹکا لگا اور اس کے ہاتھ پروفیسر کی کمر کے گرد سے ہٹ گئے ۔ پروفیسر بھناتے ہوئے انداز میں محمود سے جا ٹکرایا ۔ اس کے سر کی ٹکر محمود کے پیٹ میں کچھ اس زور سے لگی کہ وہ دُہرا ہو گیا ۔ ساتھ ہی پروفیسر نے چٹخنی گرا دی ۔ اس حالت میں بھی محمود دروازے سے چمٹا رہا ۔ لیکن باہر چٹخنی گرنے کی آواز سُن لی گئی تھی ۔ لہذا ہارڈنگ اور لوناف کی طرف سے زور دار دھکا لگایا گیا اور محمود منہ کے بل نیچے گرا ۔ اس وقت تک فاروق جھٹکے

سے سنبھل چکا تھا ، لیکن اب دروازہ کھل چکا تھا ۔ انہوں نے دیکھا ۔ لمبے تڑنگے قد و قامت کے دو آدمی اندر داخل ہوئے ، پھر ان کی خونخوار نظریں ان دونوں پر جم گئیں ۔

" گگ ۔ کیا بات ہے جناب ۔ آپ لوگ ہمیں اس طرح کیوں گھور رہے ہیں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا ۔

" تمہاری ہڈی پسلی ایک کریں گے ۔ تم لوگوں نے بہت پریشان کیا ہے۔" لوناف غرایا ۔

" اچھا ۔ اچھا ۔ بھائی کر لینا ۔ ناراض کیوں ہوتے ہیں۔"

عین اسی وقت دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں ، وہ سب چونک اُٹھے ۔ اور پھر ہارڈنگ نے اچانک مُڑ کر دروازہ بند کر دیا ۔ اس سے پہلے کہ محمود اور فاروق اس کی کوشش کو ناکام بناتے ۔ وہ چٹخنی لگا چکا تھا ۔ دوسرے ہی لمحے لوناف کے ہاتھ میں ایک عدد پستول نظر آیا :

" خبردار ۔ کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش نہ کرو۔"

" یہ ۔ یہ کیا بھئی ۔" پروفیسر نے کانپ کر کہا ۔

" اب مزا چکھیے ۔ دروازہ کھولنے کا ۔ چلے تھے دروازہ کھولنے ۔ کتنا روکا ہم نے ۔ لیکن آپ نے ہماری ایک نہ چلنے دی۔" فاروق نے جلے کٹے انداز میں کہا ۔

اسی وقت دروازے پر ہاتھ مارا گیا اور پھر انسپکٹر جمشید

کی آواز اُبھری :

" محمود ۔ فاروق ۔ کیا تم اندر موجود ہو ؟"

" ج ۔ جی ہاں ، ابّا جان ۔" محمود چہک کر بولا۔

" تو پھر دروازہ کھول دو ۔ باہر کوئی خطرہ نہیں ہے ۔ دروازے پر میں اور فرزانہ تھے ۔ جب میں نے دیکھا کہ کوئی دروازہ نہیں کھول رہا تو پھر ہم پائپ کے ذریعے اندر داخل ہو گئے ۔"

" لیکن ابّا جان ۔ ہم دروازہ نہیں کھول سکتے ۔" محمود بولا۔

" ک ۔ کیوں ۔" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے ۔

" اس لیے کہ ۔ اندر دو عدد دشمن موجود ہیں ، ان میں سے ایک نے ہم پر پستول تان رکھا ہے ۔"

" اوہ ۔ اور یہ لوگ چاہتے کیا ہیں ؟" وہ بولے ۔

" کچھ پتا نہیں ۔ ٹھہریے ہم ان سے معلوم کرتے ہیں ۔" محمود نے کہا اور ان کی طرف متوجہ ہوا :

" کیوں بھئی ۔ تم لوگ کیا چاہتے ہو ۔"

" وہ نوٹ بک ہمارے حوالے کر دی جائے ، اس کے بعد ہم اس کا ترجمہ پروفیسر صاحب سے کرائیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے ۔ بصورتِ دیگر تم تینوں کو زندہ نہیں چھوڑیں گے ۔" ہارڈنگ نے بلند آواز میں کہا ۔ چنانچہ انسپکٹر جمشید بولے :

" اس صورت میں تم بھی بچ کر نہیں جا سکو گے ۔ جاؤ فرزانہ باہر جا کر فون کر آؤ ۔ یہ پوری کوٹھی پولیس کے گھیرے میں ہونی چاہیے ۔"

" جی اچھا ۔" فرزانہ کی آواز سنائی دی ۔

" انسپکٹر جمشید تم کچھ بھی کرو ۔ اس وقت باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں ہے ۔ اگر تم نے وہ نوٹ بک اندر نہ سرکائی تو پہلے ایک گولی چلے گی ۔ تمہارا ایک بیٹا تمہاری ضد پر قربان ہو جائے گا ، اس پر بھی تم نے نوٹ بک اندر نہ سرکائی تو دوسری گولی چلے گی ۔ اور دوسرا بیٹا بھی دوسری دُنیا کو سدھار جائے گا ۔ اب سوچ لو ۔ کیا کرنا ہے ۔"

" ابّا جان ۔ نوٹ بک ہرگز نہ سرکائیے گا ۔ کیا خبر وہ کتنی قیمتی ہو ۔" محمود بولا۔

" ٹھیک ہے ۔ اس صورت میں تم دونوں کو مرنا ہوگا ۔"

" پروا نہیں ۔" فاروق نے کندھے اچکائے ۔

" آخر ۔ آخر یہ کیا ہو رہا ہے ۔" پروفیسر نے پریشان آواز میں کہا ۔

" انسپکٹر جمشید ۔ تم نے کیا فیصلہ کیا ہے ؟" اندر سے ہارڈنگ نے پوچھا ۔

" ٹھہرو ۔ مجھے غور کرنے دو ۔" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"ابا جان! اس میں غور کرنے والی کیا بات ہے۔" محمود بولا۔

"بات ہے، ہوسکتا ہے، اس نوٹ بک کی ہمارے نزدیک قطعاً کوئی اہمیت نہ ہو۔ وہ ہمارے کسی کام کی نہ ہو اور میں اس کی خاطر تم دونوں کو قربان کردوں اور ساری زندگی پچھتاتا رہوں۔ تم صرف میری اولاد ہی نہیں۔ اس قوم اور ملک کی امانت بھی ہو۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ غور کرلیجیے۔" محمود بولا۔

"انسپکٹر صاحب۔ ہم آپ کو غور کرنے کی زیادہ مہلت نہیں دے سکتے، کیونکہ جانتے ہیں۔ جلد ہی پولیس اس کوٹھی کو گھیرنے والی ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں لوں گا۔" وہ بولے۔

"ٹھیک ہے۔"

دونوں طرف موت کی خاموشی چھا گئی۔ دل تیز تیز دھڑکنے لگے۔ آخر ہارڈنگ کی آواز گونجی:

"انسپکٹر جمشید۔ ایک منٹ گزر گیا۔"

"ہاں۔ میں بھی فیصلہ کرچکا ہوں۔" وہ بولے۔

"تو بتاؤ نا۔ کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"لو۔ میں نوٹ بک سرکا رہا ہوں۔"

ان کی آواز سنائی دی۔ محمود اور فاروق چونک اٹھے۔

لاش کے گھر

" ابا جان - یہ کیا - یہ آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے۔"

" سنو بھئی - ابھی ہمیں یہ معلوم نہیں کہ نوٹ بک میں کیا لکھا ہے - بلا وجہ خطرہ کیوں مول لیں - اب تم خاموش رہو اور ان لوگوں کو اپنا کام کرنے دو - میں نوٹ بک سرکا رہا ہوں۔"

دروازے کے نیچے اتنی جھری موجود تھی کہ نوٹ بک اندر آ سکتی - دوسرے ہی لمحے انہوں نے نوٹ بک کو اندر آتے دیکھا - ہارڈنگ جھکا اور نوٹ بک اٹھا لی - اب وہ پروفیسر کی طرف مڑا :

" لو پروفیسر - اشارات کی یہ تحریر پڑھ دو۔"

" یہ کام میں بہت پرسکون رہ کر کیا کرتا ہوں - اور اس وقت کمرے میں سکون کہاں۔"

" اس سے زیادہ پرسکون ماحول ہم کیسے پیدا کریں -" ہارڈنگ نے کندھے اچکائے۔

" تو مجھے اس نوٹ بک سمیت کسی دوسرے کمرے میں بند کر دو - میں ترجمہ کر دوں گا۔"

" یہاں ہی کیوں نہیں کر دیتے۔"

" یہاں تو ہر دم پستول کا خیال ذہن کو درہم برہم کیے دے رہا ہے۔"

" اچھا تو یوں کرو - تم غسل خانے میں چلے جاؤ - دروازہ اندر سے بند کر لو - ویسے تمہیں کتنی دیر لگ جائے گی ؟"

" تقریباً آدھ گھنٹا۔" اس نے کہا۔

" اوہو - یہ تو بہت ہے - اس دوران تو پولیس پہنچ جائے گی اور ایک نئی الجھن شروع ہو جائے گی۔" وناف نے گھبرا کر کہا۔

" اس سے کم وقت نہیں لگے گا - تم کیا سمجھتے ہو، اشارات کی تحریر سمجھنا آسان کام ہے۔"

" اچھا چلو - نہیں ہو گا آسان - اب جاؤ - اور کام شروع کر دو۔"

پروفیسر غسل خانے کی طرف چلا - اندر داخل ہونے کے بعد اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی :

" انسپکٹر جمشید - پروفیسر اس کام میں آدھ گھنٹا لگائے گا - کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم پولیس کو نہ بلاؤ - اس صورت میں ہم

وعدہ کرتے ہیں ۔ نوٹ بُک اور اس کا ترجمہ لے کر چلے جائیں
گے ۔ تمہارے بیٹوں کو کچھ نہیں کہیں گے ، لیکن اگر تم نے کوٹھی
کو پولیس کے ذریعے گھیرے میں لیا تو معاملہ گڑبڑ ہو جائے
گا ۔"

" ٹھیک ہے ۔ میں پولیس کو واپس بھیج دوں گا۔" باہر سے
آواز آئی ۔۔

" شکریہ انسپکٹر ۔ لیکن تم پولیس سے کہو گے کیا ؟" لوناف
بولا ۔۔

" کچھ بھی نہیں ۔ بس یہ کہ واپس جاؤ ۔ یہاں ضرورت نہیں
رہی ۔"

" بہت خوب ۔ اب ہم مطمئن ہیں ۔"

اچانک محمود نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی ۔ لوناف کی
نظریں ایک سیکنڈ کے لیے اس پر سے ہٹ گئی تھیں ۔ محمود اس
کے بائیں پہلو سے ٹکرایا ۔ فاروق یہ دیکھ کر تیزی سے جھکا اور اس
کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی ، ابھی وہ محمود کی ٹکر سے سنبھلا نہیں
تھا کہ یہ دوسری مصیبت ٹوٹی ۔ نتیجہ یہ کہ دھڑام سے گرا ۔
اب ہارڈنگ خونخوار انداز میں ان کی طرف جھپٹا ۔ پستول ابھی تک
لوناف کے ہاتھ میں تھا ، لیکن وہ کچھ اس بے ڈھنگے پن سے
گرا تھا کہ پستول والا ہاتھ نیچے دب گیا تھا ۔ ادھر محمود اس

کے اوپر چڑھا بیٹھا تھا ۔ فاروق نے ہارڈنگ کو جھپٹتے دیکھا تو
فوراً اس کے راستے میں آ گیا ۔ لوناف کو مدد ملنے کا مطلب یہ
ہوتا کہ وہ پستول کو استعمال کر سکتا تھا ۔ ہارڈنگ نے ایک
بھرپور مُکا اس کی ٹھوڑی پر رسید کیا ۔ تیزی سے سر کو
جھکاتے ہوئے وہ دوسری طرف نکل گیا ۔ محمود اب لوناف کے
سر پر لگاتار مُکے برسا رہا تھا ۔ یہاں تک کہ اس کے ہاتھ پیر
ڈھیلے پڑ گئے ۔ محمود نے چند زوردار مُکے اور رسید کیے اور پھر
اسے اُٹھا کر پستول چھین لیا ۔۔

وہ فاروق اور ہارڈنگ کی طرف مُڑا ۔ ہارڈنگ فاروق کے
سر پر مُکے برسا رہا تھا اور وہ بلا کی تیزی سے اس کے وار
خالی دے رہا تھا ۔ اور کچھ اس انداز سے کہ محمود کو بے ساختہ
ہنسی آ گئی ۔

" یہ ہنسنے کا کون سا وقت ہے ۔" فاروق نے منہ بنایا ۔

" تو کیا ہنسنے کا بھی کوئی وقت ہوتا ہے ۔"

" یہ تم نے اندر کیا شروع کر دیا ۔" انسپکٹر جمشید چلائے ۔

" جی دھینگا مشتی ۔ اور اس دھینگا مشتی کا فائدہ یہ ہوا کہ اب
صورتِ حال ہمارے حق میں بہت خوبصورت ہو گئی ہے ۔"

" ویری گڈ ۔ تب تم دروازہ کیوں نہیں کھول رہے ۔"
فرزانہ بولی ۔

"اب اس قابل ہوئے ہیں۔" یہ کہہ کر محمود پستول لوناف کی طرف تانے دروازے کی طرف بڑھا اور چٹخنی گرا دی۔ دوسرے ہی لمحے انسپکٹر جمشید اور فرزانہ اندر داخل ہوئے — فاروق اور ہارڈنگ ابھی تک اُلجھے ہوئے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر دو مُکّے ہارڈنگ کے سر پر رسید کیے اور وہ لمبا لیٹ گیا۔ اب جو وہ لوناف کی طرف بڑھے، اس نے فوراً ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ جلد ہی ان کے ہاتھ پیر باندھ دیے گئے —

"پروفیسر صاحب۔ اب آپ بے فکر ہو کر باہر آ سکتے ہیں، یہاں کوئی خطرہ نہیں رہا۔" محمود نے غسل خانے کے دروازے پر ایک ہاتھ رسید کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بالکل! اب آپ نہایت اطمینان سے اس نوٹ بک کی تحریر کو پڑھ سکتے ہیں۔"

پروفیسر کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ انہوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر انسپکٹر جمشید دروازے کی طرف جھپٹے۔ پہلے تو زور سے اسے دھڑ دھڑایا، پھر ایک زوردار ٹکر دے ماری۔ دروازے کے قبضے اُکھڑ گئے۔ اور وہ کھل گیا —

انہوں نے دیکھا۔ پروفیسر صوبام غسل خانے میں نہیں تھا۔

○

"ارے۔ یہ پروفیسر صاحب کہاں چلے گئے۔" محمود نے بوکھلا کر کہا —

اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید اندر داخل ہو چکے تھے — غسل خانہ دو کمروں کے لیے تھا۔ دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر وہ بے تحاشہ اس میں داخل ہوئے، اب ان کی نظریں اس کمرے کی کھلی کھڑکی پر پڑیں۔ کھڑکی سے جھانک کر جو دیکھا تو دوسری طرف ایک تنگ سی گلی نظر آئی:

"اس کا مطلب ہے۔ پروفیسر صاحب خوفزدہ ہو کر اس کھڑکی کے ذریعے بھاگ نکلے۔"

"ہاں، اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے، لیکن ابھی وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔ تم دونوں جا کر انہیں لے آؤ — اب یہاں ان کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ارے ہاں۔ وہ نوٹ بک بھی تو انہی کے پاس ہے۔ جلدی کرو۔" انسپکٹر جمشید بولے —

محمود اور فاروق نے کھڑکی سے نیچے چھلانگیں لگائیں اور دوڑ پڑے۔ اب وہ مڑے، ہارڈنگ اور لوناف لمبے لمبے سانس لے

رہے تھے ۔

" کیوں بھئی ۔ یہ سب کیا چکر ہے ؟"

" ہمیں کچھ پتا نہیں ۔" ہارڈنگ بولا ۔

" پتا بھی نہیں اور نوٹ بک کی تحریر بھی پڑھوا رہے تھے ۔" فرزانہ نے منہ بنایا ۔

" اس وقت پورے تین گروہ اس نوٹ بک کے پیچھے لگے ہوئے ہیں ، لیکن ان تینوں کو کچھ بھی معلوم نہیں ۔ ہم صرف احکامات پر عمل کر رہے ہیں ۔" ہارڈنگ نے کہا ۔

" کیا مطلب ۔" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے ۔

" اطلاع ملی تھی کہ ایک بہت اہم نوٹ بک اس ملک کے ماہر پروفیسر صوبام سے پڑھوانے کے لیے بھیجی جا رہی ہے ۔ بس جس جس کو یہ اطلاع ملی ۔ وہ شمالی پہاڑیوں کی طرف دوڑ پڑا ، کیونکہ نوٹ بک وصول کرنے والے کو شمالی پہاڑیوں پر ایک جگہ پہنچنا تھا اور وہاں سے پروفیسر صوبام تک آنا تھا ۔ لیکن یہ بات راز نہ رہ سکی ۔ اس طرح تین پارٹیاں بیک وقت اس نوٹ بک کو حاصل کرنے کے چکر میں پڑ گئیں ۔ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ نوٹ بک کہاں سے لائی گئی ہے ۔ لانے والا کون ہے ۔ ہے کس کی ملکیت ہے ۔ بس ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح نوٹ بک اس کے قبضے میں آ جائے اور پروفیسر صوبام سے

وہی پڑھوا سکے اور کوئی نہیں ۔" اس نے جلدی کہا ۔

" ہوں ۔ کیا یہ صرف ملکی معاملہ ہے ۔ یا اس میں کچھ غیر ملکی ہاتھ ہیں ۔ ویسے تم لوگ تو ضرور غیر ملکی ہو ۔"

" ہاں ۔ اس نوٹ بک میں تین بڑے ملک دلچسپی لے رہے ہیں ۔"

" اوہو ، پھر تو وہ نوٹ بک بہت ہی اہم نوعیت کی ہے ، فرزانہ تم ان دونوں کے پاس ٹھہرو ۔ میں ان کے پیچھے جاتا ہوں ۔ کہیں محمود اور فاروق کے پروفیسر صاحب تک پہنچنے سے پہلے ہی کوئی اور نوٹ بک نہ لے اڑے ۔"

" جی بہتر ۔" فرزانہ بولی ۔

انسپکٹر جمشید نے کھڑکی پھلانگی اور دوڑ لگا دی ۔ گلی سے نکلتے ہی وہ مین روڈ پر آ گئے ۔ دائیں بائیں ۔ آمدورفت جاری تھی اور اس آمدورفت میں انہیں محمود ، فاروق اور پروفیسر صوبام میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا ۔ آخر انہوں نے کچھ سوچا اور جیپ میں بیٹھ کر دائیں سمت میں روانہ ہو گئے ۔ یہ سڑک شہر سے باہر جاتی تھی ۔ آدھ گھنٹے بعد وہ شہر سے باہر تھے ، لیکن ان لوگوں کا سراغ ابھی تک نہیں لگا تھا ۔ اب وہ واپس پلٹے اور بائیں طرف چل پڑے ۔ ایک گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد آخر تھک ہار کر وہ واپس لوٹے ۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ محمود ،

فاروق اور پروفیسر صوبام وہاں موجود تھے، ان کے علاوہ اکرام اور پولیس والے بھی آ چکے تھے۔

"حد ہو گئی۔ میں تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں اور تم یہاں ہو۔"

"پروفیسر صاحب سڑک پر نہیں۔ گلیوں ہی گلیوں میں بھاگے جا رہے تھے۔ اتفاق سے ہم بھی گلیوں میں جا گھسے اور جلد ہی ان تک پہنچ گئے۔ اللہ کا شکر ہے۔ نوٹ بک محفوظ ہے۔" محمود نے بتایا۔

"بہت خوب۔ یہ ہوئی نا بات۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

حملہ آوروں کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ پتا نہیں اور کتنے لوگ نوٹ بک کے چکر میں چکرا رہے تھے۔

"اکرام۔ یہ نوٹ بک اب بہت اہمیت اختیار کر گئی ہے، پروفیسر صاحب کی کوٹھی کی حفاظت اس طرح ہونی چاہیے کہ پرندہ بھی پَر نہ مار سکے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔"

"پروفیسر صاحب۔ آپ اسی وقت اس نوٹ بک پر جُٹ جائیے اور جلد از جلد تحریر کا ترجمہ کر ڈالیے، تاکہ معلوم ہو سکے، اس میں آخر ہے کیا۔"

"جی بہتر۔ میں اپنے کمرے میں بند ہو رہا ہوں، اب ترجمہ کر کے ہی نکلوں گا۔" اس نے کہا۔

"شکریہ۔ آپ کے کمرے کے چاروں طرف نگران موجود رہیں گے۔ آپ کو کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ اور نہ گھبرانے کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ لوگوں کے ہوتے ہوئے مجھے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ بولا اور اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

اکرام نے فوراً اپنے ماتحتوں کو اس کے کمرے کے گرد مقرر کر دیا۔

"ابا جان! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ نوٹ بک کو یہاں ہی کیوں بھیجا گیا۔ کیا دُنیا میں اشاراتی تحریر سمجھنے کا اور کوئی ماہر موجود نہیں۔"

"ماہر تو کئی ہوں گے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر تحریر پڑھ سکیں۔" انہوں نے کہا۔

"خیر۔ اب جلدی معلوم ہو جائے گا کہ نوٹ بک میں لکھا کیا ہے۔"

"اس لاش کے بارے میں کچھ معلوم ہوا، ابا جان، جسے آپ ہسپتال چھوڑ آئے تھے؟" محمود نے پوچھا۔

"اکرام اس کا نام اور پتا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا

ہے۔ اس کا نام ابرار راہی تھا۔ ملک کا ایک مشہور شاعر۔ حیرت ہے۔ اسے کس نے ہلاک کر ڈالا؟"

"کسی دوسرے شاعر نے۔ شاید وہ اس کی شہرت سے جلتا ہوگا۔" فرزانہ بولی۔

"ہو سکتا ہے۔ یہی بات ہو۔ بہر حال ہم اس کے قتل کی تفتیش بھی کریں گے۔ یہاں سے فارغ ہو کر اس کے گھر جائیں گے۔"

"یہاں سے فارغ ہو کر۔ کیا مطلب!" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"کیوں۔ کیا تمہارے خیال میں ہم یہاں سے فارغ نہیں ہو سکیں گے۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"فارغ ہونے سے کیا مراد۔ میں یہ کہنا چاہتا تھا۔" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"بھئی۔ اس نوٹ بک کی تحریر ہمارے علم میں آنے کی دیر ہے۔ بس پھر ہم فارغ۔ یہاں ہمارا کیا کام رہ جائے گا۔"

"اور اگر تحریر نہ پڑھی جا سکی۔" محمود بول اٹھا۔

"کیا مطلب۔ بھلا کیوں نہ پڑھی جا سکے گی۔ نوٹ بک تو یہاں لائی ہی اسی لیے گئی ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔ اور ابا جان۔ کم از کم وہ اجنبی

نوٹ بک کے بارے میں سب کچھ بتا سکتا ہے۔ جو اسے لے کر آیا تھا۔ اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ وہ زندہ ہے۔"

"ہاں۔ ہمیں اس سے بھی ملنا ہے۔ بلکہ ابرار راہی کے گھر جانے سے پہلے ہم اس سے ملیں گے۔"

"اب دیکھیں۔ پروفیسر صاحب کب نکلتے ہیں۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اس کا مطلب ہے، پروفیسر صوبام کی شہرت دوسرے ملکوں تک پہنچی ہوئی ہے۔"

"ہاں، اس میں۔"

ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اس وقت ایک نگران اندر داخل ہوتے ہوئے بولا:

"سر۔ پروفیسر صاحب آپ لوگوں کو بلا رہے ہیں۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے۔ تحریر پڑھ لی گئی ہے۔" محمود نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

وہ سب پروفیسر صوبام کے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہ صوفے کی پشت پر سر رکھے بیٹھا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور نوٹ بک اس کے سامنے میز پر رکھی تھی۔ چہرے پر تھکن کے آثار تھے:

"کیسے پروفیسر صاحب۔ کیا رہا۔" انسپکٹر جمشید بولے

اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ چند سیکنڈ تک انہیں

دیکھتا رہا۔ آخر بولا:

" مم۔ میں کیا کہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔"

" جی۔ کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

" میں اس تحریر کو سمجھنے میں بُری طرح ناکام ہو چکا ہوں۔" پروفیسر بولا۔

" یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

" یہ خبر سناتے وقت خود میرا بہت بُرا حال ہے۔ میری زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ کوئی تحریر پڑھنے میں ناکام ہوا ہوں۔"

" اوہ۔ اب کیا ہوگا۔" محمود کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

" آپ کے خیال میں اس تحریر کو کون پڑھ سکتا ہے؟"

" صرف وہ۔ جس نے اسے لکھا ہے۔" پروفیسر نے کہا۔

" اوہ، لیکن ہمیں نہیں معلوم۔ نوٹ بک پر تحریر کس نے لکھی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

" لیکن ابا جان۔ ہم معلوم تو کر سکتے ہیں۔ اس اجنبی سے۔" فرزانہ بے چین ہو گئی۔

" ہاں، ٹھیک ہے۔ آؤ چلیں۔ پروفیسر صاحب۔ آپ اس نوٹ بک پر مزید کوشش تو نہیں کریں گے؟"

" نہیں۔ میں اپنی سی کوشش کر چکا ہوں۔"

" گویا میں یہ نوٹ بک لے سکتا ہوں؟"

" جی ہاں، کیوں نہیں۔ اسے پاس رکھنا تو یوں بھی موت کو دعوت دینا ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے نوٹ بک اٹھا کر جیب میں رکھ لی اور اکرام کی طرف مڑے:

" اب یہاں حفاظتی انتظامات کی ضرورت نہیں رہی، آؤ چلیں۔"

انہوں نے پروفیسر صوبام سے ہاتھ ملائے اور باہر نکلے۔ جلد ہی وہ ہسپتال میں داخل ہو رہے تھے۔ انہیں اجنبی کے کمرے تک پہنچا دیا گیا۔ دروازے پر مسلح پہرے دار کھڑے تھے:

" کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی؟" انسپکٹر جمشید نے پہرے داروں سے پوچھا۔

" جی نہیں۔ ہر طرح خیریت ہے۔"

وہ اندر داخل ہوئے۔ اجنبی ہوش میں تھا۔ اس کی نظریں محمود، فاروق اور فرزانہ پر جو پڑیں تو فوراً بول اُٹھا:

" اوہو۔ آپ لوگ تو وہی ہیں۔"

" ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ ہیں تو ہم وہی۔" فاروق نے کہا۔

" آپ اپنا نام بتانا پسند کریں گے؟" انسپکٹر جمشید نرم آواز میں بولے۔

"جی ۔ ہاں ۔ کیوں نہیں ۔ میں عاطف رشید ہوں ۔"

"وہ نوٹ بک کہاں سے ملی تھی ؟"

"وہیں سے ۔ یعنی شمالی پہاڑیوں سے ۔" اس نے بتایا ۔

"کیا مطلب ؟" انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے ۔

"جی ہاں ۔ مجھے آپ کو پوری بات بتانا پڑے گی ۔ دراصل میں ایک پُر اسرار آدمی کے لیے کام کرتا ہوں ۔"

"پُر اسرار آدمی کے لیے ۔ کیا مطلب ؟"

"میں ایک تعلیم یافتہ نوجوان ہوں ۔ بہت دنوں تک بے روزگار پھرتا رہا ، پھر اس پُر اسرار آدمی کا خط مجھے ملا ۔۔ خط میں اس نے لکھا تھا ۔ تم میرے لیے کام کرو ۔ معقول تنخواہ دوں گا ۔ میرے احکامات تمہیں بذریعہ فون یا خط ملا کریں گے ، پہلا حکم بھیج رہا ہوں ۔ اگر عمل کیا تو تنخواہ کا لفافہ مل جائے گا ۔ بس خط کے الفاظ یہ تھے ۔ کسی کا نام نہیں تھا ۔ پتا نہیں تھا ۔ پہلا حکم بہت آسان لگا ۔ ایک پیکٹ کسی جگہ سے اٹھا کر ایک دوسری جگہ پہنچانا تھا ۔ میں یہ کام کر گزرا ، دوسرے ہی دن دو ہزار روپے کے نوٹ ایک لفافے میں ملے ۔ اس روز سے میں اس کا ملازم بن گیا ۔ اس نے مجھ سے ہمیشہ صرف اسی قسم کے کام لیے ۔ نوٹ بک والا کام بھی ایسا ہی تھا ۔ لہذا مجھے ذرا بھی حیرت نہ ہوئی ۔ بذریعہ فون اس نے مجھے اطلاع دی کہ آج

دوپہر ٹھیک تین بجے ایک نوٹ بک مجھے ملے گی ۔ میں اسے لے کر ٹھیک چار بجے شمالی پہاڑیوں پر پہنچ جاؤں ۔ وہاں کوٹ کے کالر میں نیلا گلاب لگائے ایک شخص آئے گا ۔"

"نیلا گلاب ۔" انسپکٹر جمشید چونک اٹھے ۔ آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ۔

"ہاں ۔ ریشم کے دھاگوں سے بنایا گیا نیلا گلاب ۔ اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے ۔" اس نے بھی حیران ہو کر کہا ۔

"اچھا خیر ۔ نہیں ہوتا حیران ۔" وہ بولے ۔

"میں ٹھیک چار بجے وہاں پہنچ گیا ۔ لیکن وہاں کوٹ کے کالر میں نیلا گلاب لگائے کوئی آدمی نہیں پہنچا ۔ اس کی بجائے یک دم تین آدمی مجھ پر آ ٹوٹے ۔ وہ تو اگر یہ تینوں آڑے نہ آجاتے تو میں تو مارا گیا تھا بے موت ۔ ان کی وجہ سے میں بچ گیا ۔ پھر ایک اور حملہ آور آ دھمکا ۔ مجھے زخمی کر کے نوٹ بک میری جیب سے نکال لی ، لیکن اس سے انہوں نے حاصل کر لی ۔ یہ ہے کل کہانی ۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تمہیں اس پُر اسرار آدمی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ۔"

"نہیں ۔ بالکل کچھ نہیں معلوم ۔" اس نے کہا ۔

"اور نوٹ بک تمہیں ملی کہاں سے تھی ؟"

"ایک سادہ لفافے میں رکھ کر دروازے کے نیچے سے میرے گھر میں سرکا دی گئی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ نوٹ بک دستی پہنچائے گا۔ ورنہ میں ضرور اسے دیکھنے کی کوشش کرتا۔"

"اس کے تحریری احکامات تو تم نے جمع کر رکھے ہوں گے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"نہیں۔ اس کی ہدایات تھیں کہ جونہی کوئی پیغام ملے، اُسے پڑھ کر جلا دیا جائے۔"

"ہوں۔ گویا تم نوٹ بک کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکتے۔"

"جی نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"اس پُراسرار آدمی نے تم سے فون پر بھی تو بات کی ہو گی، کئی بار۔"

"بہت کم۔ ایسا وُہ صرف اس وقت کرتا ہے۔ جب کوئی فوری کام آ پڑا ہو۔" اس نے کہا۔

"اس کی آواز کیسی ہے؟"

"جی۔ بہت اچھی ہے۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"مم۔ میرا مطلب ہے۔ آواز باریک ہے، موٹی ہے، بھدی یا کیسی ہے۔"

"خوفناک حد تک سرد آواز۔ جیسے سانپ پھنکارتا ہو۔" اس نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"شکریہ۔ اب تم آرام کرو۔ کوئی اور خاص بات یاد آ جائے تو مجھے فون کر دینا۔ دروازے پر موجود نگران فون کا سلسلہ ملا دیں گے۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا اور وُہ باہر نکل آئے۔

"چکر کچھ عجیب سا ہو گیا ہے۔ آخر وہ پُراسرار آدمی کون ہے۔ نوٹ بک کیا اس کی اپنی ہے یا کسی اور کی، اگر کسی اور کی ہے تو اس نے اسے کس طرح حاصل کیا۔ اور جس کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ وہ کون تھا۔" انسپکٹر جمشید کھوئے کھوئے لہجے میں بولے۔

اب وُہ ہسپتال کے برآمدے میں چل رہے تھے۔

"ابا جان۔ آپ نیلے گلاب کے ذکر پر چونک سے گئے تھے۔ کیا آپ وجہ بتائیں گے؟" فرزانہ بے چینی کے عالم میں بولی۔

"ہاں، بتا دوں گا۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر بتائیے نا۔"

"بھئی۔ الکرام۔ اب ہم اس لاش کے گھر چلیں گے۔ چل رہے ہو ساتھ۔" وُہ بولے۔

"جی ہاں۔ کیوں نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

" ابّا جان - آپ نے بتایا نہیں - نیلا گلاب میں کیا بات تھی؟"

" نیلا گلاب دراصل اسی شخص کے کوٹ کے کالر میں لگا ہوا تھا جس کی لاش مجھے ملی -"

" کیا!"

وہ ایک ساتھ چلّا اُٹھے —

پیش کش

" اس میں چلّانے کی کیا بات ہے — ان تینوں کو اس کے بارے میں معلوم تھا کہ نوٹ بک حاصل کرنے کے لیے شمالی پہاڑیوں کی طرف آنے والا ہے، لہذا وہ پہلے ہی اس کے استقبال کے لیے تیار تھے - جونہی وہ نزدیک سے گزرا، پتھر پھینک مارا گیا — وہ گر گیا اور یہ لوگ آگے کی طرف چل پڑے - اس سے نجات حاصل کرنے کا بھلا اس سے بہتر کیا طریقہ ہو سکتا تھا - اگر وہ اس کا کام تمام نہ کرتے تو شمالی پہاڑیوں میں انہیں ایک کی بجائے دو - بلکہ تم تینوں سمیت پانچ سے مقابلہ کرنا پڑتا -"

وہ کہتے چلے گئے۔

" لیکن اس ساری کوشش کے باوجود وہ تینوں کچھ نہ کر سکے — نوٹ بک تو اس تیسرے حملہ آور کے ہاتھ لگی اور اس سے ہم نے حاصل کی۔"

" ہاں!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"سوال یہ ہے ابا جان۔ اس پُر اسرار آدمی کو یہ چکر چلانے کی کیا ضرورت تھی؟" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"بھئی کوئی تو ضرورت ہو گی۔" وہ مسکرائے۔

"اور اس سے بھی بڑا سوال یہ کہ پُر اسرار آدمی کے پاس وہ نوٹ بک کہاں سے آ گئی؟" فرزانہ نے کہا۔

"اس بات کا جواب تو بس وہ پُر اسرار آدمی ہی دے سکتا ہے، لیکن ہم نہیں جانتے۔ وہ کون ہے، کہاں رہتا ہے اور کیا چکر چلاتا رہتا ہے۔" فاروق نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"اسی لیے ہم ابرار راہی کے گھر چل رہے ہیں، کیونکہ اجنبی یعنی عاطف رشید سے نوٹ بک اسے حاصل کرنا تھی۔ حاصل کر کے وہ کیا کرتا۔ اگر یہ معلوم ہو جائے تو شاید ہم بہت کچھ جان جائیں گے۔"

"سب سے بڑی اُلجھن یہ ہے کہ پروفیسر صوبام اشاراتی تحریر نہیں پڑھ سکے، یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے۔" محمود بولا۔

"ہاں۔ بے شک، لیکن بھلا ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

آخر وہ ابرار راہی کے گھر پہنچ گئے۔ گھر کیا تھا، ایک شاندار کوٹھی تھی۔ جس کی ہر چیز سے دولت مندی ٹپک رہی تھی۔ دروازے پر دستک دیتے ہوئے محمود بولا:

"دولت مند شخص معلوم ہوتا ہے۔ کہیں اسے اس کی دولت

کے لیے تو ہلاک نہیں کیا گیا۔"

"اگر نوٹ بک والا معاملہ سامنے نہ آ جاتا تو ہم یہی اندازہ لگاتے، لیکن اب کس طرح لگا سکتے ہیں۔"

اسی وقت دروازہ کھلا اور ایک سفید ڈاڑھی والا آدمی دکھائی دیا:

"ابرار راہی صاحب یہیں رہتے ہیں؟"

"ہاں، کیوں۔ کیا بات ہے۔" اس نے کسی قدر پریشان ہو کر کہا۔

"ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"دوپہر کے وقت گھر سے گیا تھا، اب تک لوٹ کر نہیں آیا۔" اس نے کہا۔

"کیا وہ آپ کے بیٹے ہیں؟"

"ہاں۔ کیا اس نے کوئی مصیبت مول لے لی ہے؟"

"جی۔ جی ہاں۔ کوئی ایسی ہی بات ہے۔"

"مجھے بہت دنوں سے یہی انتظار تھا۔ میں جانتا تھا۔ وہ مصیبت ضرور مول لے کر رہے گا۔"

"کیا مطلب!"

"اس کی حرکات عجیب سی ہو گئی تھیں۔ یکایک بہت دولت کمانے لگا تھا۔ پہلے تو ہم بھوکوں مرتے تھے، پھر گھر میں گویا

دولت برسنے لگی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ۔ایک کٹیا سے گھر نے
کوٹھی کی شکل اختیار کر لی۔ اس طرح دولت کی ریل پیل نے
مجھے پریشان کر دیا۔ میں نے اس سے بار بار پوچھا کہ آخر وہ یہ
ساری دولت کس طرح کماتا ہے۔ کیا کام کرنے لگا ہے۔ پہلے تو
کبھی کہیں ملازمت کرتا تھا۔ کبھی کہیں۔ اب کہیں ملازمت بھی
کرتا نظر نہیں آتا تھا اور دولت بھی برس رہی تھی۔ میں پریشان
نہ ہوتا تو کیا کرتا، لیکن اس نے دولت مند بننے کا راز مجھے آج
تک نہیں بتایا۔ اسی لیے تو میں آپ سے پوچھ رہا ہوں۔ کیا اس
نے کوئی مصیبت مول لے لی ہے؟"

"اب وہ کوئی مصیبت مول لینے کے قابل نہیں رہا۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

"کیا مطلب!"

"مطلب یہ کہ۔ آپ کے بیٹے کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔"

"کیا!" بوڑھا چلا اٹھا۔ اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا،
اس کے رونے کی آواز نے سب گھر والوں کو دروازے پر جمع کر
لیا، پھر وہ سب رونے لگے۔

یہ لمحات ان سب کے لیے صبر آزما تھے۔ آخر خدا خدا کر کے
انہیں اندر جانے کی اجازت ملی۔ ابرار راہی کے کمرے کی چابیاں
ان کے حوالے کر دی گئیں۔ انہوں نے الماریاں کھول ڈالیں اور

ایک ایک چیز کا بغور جائزہ شروع کیا۔

ایک الماری میں انہیں پلاسٹک کا ایک چوکور بکس نظر آیا۔
اسے بھی کھولا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ چونک اٹھے کہ اس میں بہت
سے نیلے گلاب موجود تھے۔

○

"ہمیں نیلے گلاب اور کسی کے کوٹ کے کالر میں نظر نہیں
آئے۔ نہ اجنبی کے کالر میں، نہ ان تینوں حملہ آوروں کے کالروں
میں اور نہ اس لمبے آدمی کے کالر میں۔ صرف اور صرف ابرار راہی
کے کالر میں آپ نے نیلا گلاب لگا دیکھا تھا۔ اور عاطف رشید
کو بتایا گیا تھا کہ جو شخص نوٹ بک لینے آئے گا، اس کے کوٹ کے
کالر میں نیلا گلاب لگا ہوگا۔ آخر یہ چکر کیا ہے؟" محمود نے کھوئے
کھوئے لہجے میں کہا۔

"چکر کی گہرائی کا اندازہ تو اس بات سے بھی ہو جاتا ہے کہ
پروفیسر صوبام نوٹ بک کی تحریر نہیں پڑھ سکا۔" فرزانہ نے کہا۔

باتوں کے ساتھ ساتھ وہ ابرار راہی کی چیزوں کو بھی دیکھتے
جا رہے تھے۔ اچانک ایک ڈائری فاروق کے ہاتھ لگی۔ اس نے
جو اس کی ورق گردانی شروع کی تو محمود اور فرزانہ اس کی طرف

متوجہ ہو گئے۔ اچانک فاروق پڑھنے لگا:

" اور آخر دولت مند بننے کے امکانات پیدا ہو ہی گئے، ایک پُراسرار آدمی نے مجھ سے کام لینا شروع کر دیا۔ اس نے مجھے بہت لمبی چوڑی تنخواہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اب میں چند مہینوں بعد ہی دولت مند ہو جاؤں گا۔ تنگ دستی سے نجات پا لوں گا۔ میں نے جو خواب دیکھے تھے۔ اب ان کے پورا ہونے کا وقت آ پہنچا۔"

یہاں تک پڑھ کر فاروق خاموش ہو گیا۔

" اف اللہ۔ یہ تو یہاں بھی وہی پُراسرار آدمی موجود ہے، گویا عاطف رشید اور ابرار راہی تو اس کے ماتحت تھے۔ باقی لوگوں کو کسی طرح نوٹ بُک کی سن گن لگ گئی۔ چنانچہ وہ اسے حاصل کرنے کے پیچھے پڑ گئے۔ یہی وجہ ہے کہ نیلا گلاب ہمیں اور کہیں نظر نہیں آیا۔ فاروق یہ ڈائری مجھے دو۔ شاید اس میں کوئی اور کام کی بات نظر آ جائے۔"

" جی بہتر۔ یہ لیجیے۔"

انہوں نے بھی ڈائری کی وہ تحریر پڑھی۔ اور بھی صفحات اُلٹے، کئی صفحات کا مطالعہ کرنے پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ ابرار راہی ایک بے کار سا شاعر تھا۔ جو بھوکوں مر رہا تھا اور مال دار بننے

کی تمنا اسے تڑپائے دے رہی تھی۔ کہ اچانک وہی پُراسرار آدمی اس کی زندگی میں داخل ہوا۔ بالکل عاطف رشید کی طرح، اب یہ سوال تھا کہ وہ پُراسرار آدمی ہے کس چکر میں۔

" کاش پروفیسر صوبام اس نوٹ بُک کی تحریر کو پڑھ سکتے، اس صورت میں یہ معاملہ اب تک راز نہ رہتا۔" فرزانہ نے سرد آہ بھری۔

" میں ایک دو فون کروں گا۔ اس پُراسرار آدمی کا پتا چلانا ہی ہو گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ ہمارے مُلک کو بہت نقصان پہنچا رہا ہے، دوسرے یہ کہ میں اخبارات میں ایک اشتہار دے رہا ہوں۔"

" جی۔ کیسا اشتہار؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

" اشاراتی پیغام پڑھنے کے ماہروں کو متوجہ کرنے کے لیے۔ ہو سکتا ہے، ہمارے مُلک میں پروفیسر صوبام سے بڑا ماہر کوئی موجود ہو، لیکن اس کا نام کوئی نہ جانتا ہو۔ اس کیس میں دشواری صرف اس لیے محسوس ہو رہی ہے کہ اس اشاراتی تحریر کا ترجمہ ابھی تک نہیں ہو سکا۔ ورنہ دشمنوں کے ارادوں کا فوری طور پر پتا چل جاتا۔" انہوں نے کہا اور فون کرنے لگے۔ پانچ منٹ بعد وہ فارغ ہو گئے۔ عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا اور پھر چونک اُٹھے:

"ہاں! انسپکٹر جمشید ہی بول رہا ہوں۔"

پھر وہ دوسری طرف کی بات سنتے رہے۔ ان کے چہرے پر عجیب سی کیفیت دیکھ کر وہ بے چین ہو گئے، آخر بولے:

"ٹھیک ہے۔ میں آ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔

"خیر تو ہے ابا جان۔ فون کس کا تھا؟"

"ہاں۔ خیریت ہی ہے۔ تمہیں یہ جان کر خوشی ہو گی کہ اس پراسرار آدمی کا فون تھا۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔"

"کیا کہا۔ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔" محمود نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں، لیکن صرف مجھ سے۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر میں کسی اور کو ساتھ لے کر مقررہ جگہ پہنچا تو ملاقات نہیں ہو سکے گی۔"

"آخر وہ آپ سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟"

"دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو دھوکے سے وار کر کے مجھے ختم کرنا چاہتا ہے یا کوئی پیش کش کرنا چاہتا ہے۔"

"پھر۔ آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"میں اس سے ملاقات کروں گا۔" وہ بولے۔

"اور اکیلے جائیں گے۔" فرزانہ نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں، مجبوری ہے۔ اکیلے ہی جانا ہو گا، کیونکہ اس نے شمالی پہاڑیوں پر بلایا ہے اور وہ ایک ایسی جگہ ہے۔ جہاں صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ تقریباً کتنے لوگ آگے بڑھ رہے ہیں۔" وہ بولے۔

"دیکھ لیجیے۔ اس میں بہت خطرہ ہے۔"

"ہاں بے شک، لیکن اگر میں نہ گیا تو مجرم کو گرفتار کرنے کا ایک موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔ کیوں نہ آپ سے کافی فاصلے پر ہم بھی آئیں۔"

"نہیں بھئی۔ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہو گی۔"

"اور اس نے بلایا کب ہے؟"

"ابھی اور اسی وقت۔ اس نے کہا ہے۔ میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"اوہ۔ تب تو آپ کو اسی وقت روانہ ہو جانا چاہیے تھا، اس طرح آپ اس سے پہلے پہنچ سکتے تھے۔" فاروق بولا۔

"نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ میں کتنی ہی جلدی کرتا، پہلے نہیں پہنچ سکتا تھا۔"

"جی۔ بھلا وہ کیوں۔"

"اس لیے کہ اس نے شمالی پہاڑیوں کے آس پاس کہیں چیک

فون بوتھ سے فون کیا ہوگا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ انسپکٹر جمشید اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"لیکن ابا جان۔ اب ہم کیا کریں۔"

"تم گھر جا کر آرام کرو۔ کیونکہ اس کیس میں اور کوئی کام نہیں۔"

"کاش ہم آپ کے ساتھ جا سکتے۔"

"فکر نہ کرو۔ میں تر نوالہ نہیں ہوں۔ خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

اب ان کی جیپ شمالی پہاڑیوں کا رُخ کر رہی تھی۔ رات کی تاریکی پھیل چکی تھی اور آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ پہاڑیوں کے دامن میں انہوں نے جیپ روک لی۔ پہلے چاروں طرف ایک نظر ڈالی اور پھر چٹانوں کی اوٹ لیتے آگے بڑھنے لگے۔ اچانک ایک جگہ ٹارچ کی روشنی نظر آئی۔ پُر اسرار آدمی گویا ٹارچ سے انہیں اشارا دے رہا تھا کہ کہاں پہنچنا ہے۔ وہ کافی اونچائی پر تھا۔ ٹارچ کے ذریعے اشارا دینے کا مطلب یہ تھا کہ اس نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ اب وہ اور بھی تیزی سے اوپر چڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ اس جگہ کے نزدیک پہنچ گئے۔ جہاں انہوں نے ٹارچ دیکھی تھی۔ اب انہوں نے خود کو مکمل طور

پر ایک چٹان کی اوٹ میں رکھتے ہوئے کہا:

"میں آ گیا ہوں مسٹر۔ تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے۔"

"ایک سودا کرنے کے لیے۔" سرد آواز کانوں سے ٹکرائی۔

"کیسا سودا؟" وہ سرسری انداز میں بولے۔

"تم اس معاملے میں بالکل خاموشی اختیار کر لو۔ جہاں تک پہنچ چکے ہو، اس سے آگے نہ بڑھو۔" اس نے کہا۔

"اور اس کے بدلے میں تم مجھے کیا دو گے؟"

"ایک بڑی رقم۔" اس نے کہا، پھر بولا:

"ایک کروڑ روپے۔ تم کروڑ پتی بن جاؤ گے۔"

"شاید تمہیں معلوم نہیں۔ میں پہلے ہی کروڑ پتی ہوں۔"

"اوہو اچھا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ اس صورت میں بھی تمہاری دولت میں ایک کروڑ روپے کا اضافہ ہو جائے گا۔" کہا گیا۔

"لیکن میں۔ اتنی دولت کا کروں گا کیا؟"

"عیش کرنا۔ اور کیا کرو گے؟"

"یہ زندگی عیش کرنے کے لیے نہیں دی گئی احمق انسان۔ یہ تو بہت مختصر ہے۔ اصل زندگی تو وہ ہے جو مرنے کے بعد شروع ہوگی۔ وہاں یہ عیش کام نہیں آئے گی۔"

"میں نے تمہیں یہاں فضول باتیں سننے کے لیے نہیں بلایا۔ چلو۔ میں دو کروڑ دے دوں گا۔"

"دو ارب بھی نہیں۔ بس یا کچھ اور کہنا ہے؟"

"اور یہ کہ اگر تم نے میری پیش کش منظور نہ کی تو تمہیں اور تمہارے بچوں کو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔"

"اچھا۔ دھولیں گے۔" انہوں نے کہا اور ساتھ ہی محسوس کیا، یہ جملہ انہوں نے بالکل فاروق کے انداز میں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں نے خود تمہیں بلایا تھا۔ ورنہ تمہارا کام تمام کرنا اس وقت میرے لیے بہت ہی آسان ہے، لیکن میں معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔"

"ارے نہیں بھئی۔ بہتر ہو گا۔ اپنے دل کی بھڑاس نکال لو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جلدی کی کیا ضرورت ہے۔ جب چاہوں گا۔ تم لوگوں کو مسل دوں گا۔"

"اگر یہ کام تمہارے لیے اتنا ہی آسان ہے تو پھر مجھے یہاں بُلا کر دو کروڑ روپے کی پیش کش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"دوسرے کو للکار کر مارنا میری عادت ہے۔ ایک طرح سے میں نے تمہیں یہاں بُلا کر للکارا ہے۔"

"تمہاری للکار کے لیے شکر گزار ہوں۔" وہ مسکرائے۔

دوسری طرف سے کوئی جواب نہ دیا گیا۔ انہوں نے بھی

اسے تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور واپس مڑے ___ سوچ میں گم تھے کہ آخر اس نے انہیں یہاں کیوں بلایا ہے، آخر اسی سوچ میں گھر پہنچے۔ اور یہ دیکھ کر چونک اٹھے کہ گھر میں صرف بیگم موجود تھیں۔ محمود، فاروق اور فرزانہ ابھی تک گھر نہیں پہنچے تھے ___

دو سائے

" گھر جانا تو اچھا نہیں لگتا۔" محمود نے موٹر سائیکل کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

" تب پھر۔ تمہیں کیا اچھا لگتا ہے؟" فاروق نے منہ بنایا۔

" مجھے عاطف رشید بہت پُر اسرار نظر آتا ہے۔ کیوں نہ ہم ذرا جا کر اسے کھنگالیں، کیا خبر۔ کوئی کام کی بات معلوم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

" تو ٹھیک ہے۔ ہسپتال چلے چلتے ہیں، گھر جا کر بھی تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا ہوگا۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

" ہاں، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا تو یوں بھی صحت کے لیے بہت مضر ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

" یار تم ہر وقت جھنجلائے کیوں رہتے ہو؟" محمود نے بھنا کر کہا۔

" دھت تیرے کی۔ بھنائے خود رہتے ہو اور کہہ رہے ہو مجھے۔"

فاروق نے اس کی نقل کی اور ران پر ہاتھ بھی مارا۔

" ارے ارے۔ یہ کیا۔ کہیں تم دونوں خود کو ایک دوسرے سے بدل تو نہیں رہے؟" فرزانہ بوکھلا اُٹھی۔

" اگر ہم خود کو ایک دوسرے سے بدل لیں تو تمہارا کیا نقصان ہے؟" محمود مسکرایا۔

" نقصان ہوتا ہے میری جوتی کا۔" اس نے جل کر کہا۔

" ہاں۔ بے چاری ہر وقت جلتی جو رہتی ہے۔"

" ختم کرو۔ ابھی ہمیں ہسپتال بھی پہنچنا ہے۔" محمود تنگ آ کر بولا۔

آخر تینوں ہسپتال پہنچے۔ عاطف رشید اپنے بستر پر نہیں تھا، انہوں نے ایک نرس سے پوچھا۔ نرس نے بستر کی طرف دیکھا، پھر جلدی سے بولی:

" میری ڈیوٹی ابھی ابھی تبدیل ہوئی ہے۔ اس وقت سے میں یہ بستر خالی دیکھ رہی ہوں۔ پہلے تو خیال یہ تھا کہ کسی ضرورت کے تحت گئے ہوں گے، لیکن اگر ایسا ہوتا تو اس وقت تک انہیں آ جانا چاہیے تھا۔"

" اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

انہوں نے اِدھر اُدھر ہر جگہ عاطف رشید کو دیکھا۔ آخر وہ پھر اسی نرس کے پاس آئے:

"سسٹر۔ یہ مریض تو واقعی غائب ہے۔ جب کہ وارڈ کے باہر اس کی حفاظت کے لیے نگران بھی موجود ہیں، اس کا مطلب ہے۔ وہ خود نہیں گیا۔ اسے لے جایا گیا ہے اور اس کے لیے پچھلی طرف کا راستہ اختیار کیا گیا ہے۔ اوہو۔ ہمیں تو فوراً فون کرنا چاہیے، یہ تو بہت بُری بات ہو گئی۔" محمود جلدی جلدی بولا، پھر اس نے دفتر فون کیا۔ اکرام کو صورت حال بتائی۔ اس کے بعد گھر کے نمبر ڈائل کیے۔ انسپکٹر جمشید ابھی نہیں لوٹے تھے۔ اپنی والدہ کو پیغام دے کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور ان سے بولا:

"ابا جان ابھی پہاڑیوں پر ہی ہوں گے۔ نہ جانے انہیں وہاں کیا حالات پیش آئیں۔ کیوں نہ ہم ادھر کا رُخ کریں۔"

"وہ ہمیں منع کر چکے ہیں۔" فاروق بولا۔

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ منع کر چکے ہیں، لیکن اب وقت گزر چکا ہے۔ ادھر عاطف رشید غائب ہے۔ کہیں پہاڑیوں پر کوئی لمبی گڑبڑ نہ ہو۔" فرزانہ نے کہا۔

"اچھا تو پھر چلو۔ دیکھا جائے گا۔" آخر فاروق نے منظوری دی۔ اب وہ پہاڑیوں کی طرف چلے جا رہے تھے۔

اچانک ہی محمود نے بریک لگایا۔ فاروق آگے نکل گیا، پھر وہ بھی مُڑا:

"کیا ہوا۔ کیا ارادہ بدل دیا ہے۔"

"ہاں! اب ہم وہاں نہیں جائیں گے۔" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"لیکن کیوں۔ یکایک تمہیں کیا ہو گیا ہے۔"

"ہم۔ میں نے ایک چیز دیکھی ہے۔" وہ بولا۔

"تو کیا ہوا۔ تم ایک کیا کئی چیزیں دیکھ سکتے ہو۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"بھئی سُن تو لیا کرو۔ محمود تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" فرزانہ بھنا اٹھی۔

"آؤ۔ واپس چلیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ آؤ واپس چلیں۔ آخر کیوں واپس چلیں، کوئی بات بھی تو ہو۔" فاروق بولا۔

"میں نے کہا نا۔ میں نے ایک چیز دیکھی ہے۔ جس جگہ دیکھی ہے۔ وہاں تک واپس جا کر ہی تم دونوں کو دکھا سکتا ہوں۔"

"تو وہیں کیوں نہیں رُک گئے تھے۔"

"چیز پر نظر پڑنے کے فوراً بعد اس کی اہمیت کا احساس نہیں ہوا تھا۔ احساس بعد میں ہوا۔"

"ہوں، ایسا بھی ہوتا ہے۔ تو پھر آؤ وہاں چلیں۔" فاروق بولا۔

تینوں واپس مڑے، ایک منٹ بعد ہی محمود نے موٹر سائیکل روک لی۔ فاروق نے بھی یہی کیا۔ انہوں نے خود کو ایک کوٹھی کے سامنے پایا۔ یہ کوٹھی پروفیسر صوبام کی تھی۔ اس کے تمام دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں، لیکن سبھی کمروں میں روشنی ہو رہی تھی:

"یہ کیا۔ یہ تو پروفیسر صوبام کی کوٹھی ہے۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، میں نے یہی چیز تو دیکھی تھی۔"

"یہی کیا۔ کوٹھی۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"ہاں، دیکھو نا۔ پروفیسر صوبام اکیلے آدمی ہیں، ان کی کوٹھی میں اور کوئی بھی نہیں رہتا، ملازم بھی نہیں ہے، لیکن کوٹھی کے تمام کمرے روشن ہیں۔"

"تو کیا ہوا۔ اس میں عجیب کیا بات ہے۔" فاروق تلملا اٹھا۔

"کیوں فرزانہ۔ تمہیں کوئی بات عجیب محسوس ہوئی۔"

"ابھی تک تو نہیں ہوئی۔ کیا تم وضاحت نہیں کرو گے۔" فرزانہ اُلجھے ہوئے انداز میں بولی۔

"تو سنو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے جب ہم یہاں سے گزرے تھے تو میں نے اوپر والی منزل کے کمرے کی کھڑکی کے پیچھے دو

سائے کھڑے دیکھے تھے۔ سوال یہ ہے کہ دوسرا سایہ کون تھا۔"

"اب بھی یہ کوئی عجیب بات نہیں ہوئی۔"

"کیا مطلب۔ فرزانہ۔ کیا تم آج عقل گھر رکھ آئی ہو۔" محمود بھنا اٹھا۔

"یہ کام فاروق کیا کرتا ہے۔" فرزانہ نے کندھے اچکائے۔

"کک۔ کون سا؟" فاروق ہکلایا۔

"عقل گھر بھول آنے والا۔" اس نے مسکرا کر کہا

"دیکھو۔ مجھے اپنی لڑائی میں گھسیٹنے کی کوشش نہ کرو۔ بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔" اس نے گویا دھمکی دی۔

"ہاں محمود۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ یہ حضرت تو بس وقت ضائع کر سکتے ہیں۔"

"پروفیسر صوبام اکیلا ہے، پھر اندر دوسرا سایہ کون ہے، کیوں نہ دیکھتے چلیں۔"

"کیسے دیکھتے چلیں۔ جب کہ تمام دروازے بند ہیں۔"

"تو کیا ہوا۔ تم جو موجود ہو۔ تمہارے ہوتے ہوئے بند دروازے کی کیا حیثیت۔ پانی کے پائپ سلامت رہیں۔" فرزانہ نے شوخ انداز میں کہا۔

"ہاں ہاں۔ کیوں نہیں۔ بہت آسان سا تو کام ہے۔ بس۔ یوں پائپ پر پاؤں رکھے اور یوں چڑھ گئے۔" اس نے ہاتھ نچائے۔

"اب آؤ بھئی — کیا نخرہ دکھا رہے ہو — بوڑھی عورتوں کی طرح ہاتھ نچا رہے ہو۔" محمود نے تنگ آکر کہا۔

انہوں نے موٹر سائیکلیں ایک طرف کھڑی کیں اور کوٹھی کا جائزہ لیا — پائپ کے ذریعے چھت تک پہنچنا واقعی آسان تھا —

"میں تم دونوں کے لیے دروازہ نہیں کھولوں گا — تمہیں بھی پائپ کے ذریعے ہی آنا ہو گا۔" فاروق نے گویا فیصلہ سنایا۔

"اچھے بھائی — اس کی کیا ضرورت ہے — جب صرف تمہاری محنت سے ہم تینوں اندر داخل ہو سکتے ہیں تو پھر ہم دونوں کیوں محنت کریں — تمہاری کی ہوئی محنت سے ہی فائدہ کیوں نہ اٹھائیں۔" فرزانہ نے نرم ملائم لہجے میں کہا۔

"ہوں! اچھا خیر — تم بھی کیا یاد کرو گی۔" اس نے کہا اور پائپ پر چڑھتا چلا گیا — اس کام میں اسے عجیب مہارت حاصل تھی — بس بندروں کی طرح چڑھ جاتا تھا —

"چلو تم لوگ دروازے تک پہنچو — اگر دروازہ کھلنے کے امکانات نہ ہوئے تو میں کسی کمرے کی کھڑکی کھول دوں گا۔"

"ٹھیک ہے — تم بہت اچھے بھائی ہو۔" محمود مسکرایا۔

"ابھی میں پائپ پر چڑھنے سے انکار کر دیتا تو پھر معلوم ہوتا، کتنا اچھا ہوں۔" اس نے منہ بنایا۔

ان کے دیکھتے ہی دیکھتے فاروق چھت پر جا پہنچا — زینہ

کھلا پا کر اس نے انہیں اشارا کیا کہ وہ نیچے اتر رہا ہے؛ چنانچہ وہ کوٹھی کے دروازے کی طرف چل پڑے، لیکن ابھی دروازے تک نہیں پہنچے تھے کہ ایک کھڑکی کھلی — فاروق کا پُرجوش چہرہ نظر آیا — اور اس نے کہا:

"بس — یہیں سے اندر آجاؤ — دروازے تک کون جائے۔"

دونوں کھڑکی پھلانگ کر کمرے میں داخل ہوئے — اور دروازے کی طرف مڑے — فاروق نے آگے بڑھ کر ہینڈل پکڑا اور پھر گویا اس کا ہاتھ ہینڈل سے چپک کر رہ گیا — وہ ساکت کھڑا ان کی طرف ٹکر ٹکر دیکھنے لگا —

○

"خیر تو ہے بیگم، تینوں ابھی تک گھر نہیں پہنچے؟" انسپکٹر جمشید بوکھلا کر بولے۔

"جی — جی ہاں — ہر طرح خیریت ہے — وہ گھر آئے ہی نہیں، ان کا فون ضرور آیا تھا۔"

"کیا پیغام دیا تھا؟" وہ بولے۔

"یہ کہ عاطف رشید ہسپتال سے غائب ہے۔"

"اوہو اچھا — تو کیا وہ اس کی تلاش میں نکل گئے ہیں۔"

"نہیں۔ وہ آپ کے پیچھے جانے کا کہہ رہے تھے۔"

"اف اللہ۔ یہ انہوں نے کیا کیا۔ انہیں اس طرف نہیں جانا چاہیے تھا۔ اب مجھے پھر ان کی تلاش میں نکلنا پڑے گا۔ ارے ہاں۔ پہلے تو میں اکرام سے عاطف رشید کے بارے میں معلوم کر لوں۔ انہوں نے اکرام کو بھی فون کیا ہو گا۔"

یہ کہہ کر وہ فون پر جُٹ گئے۔ جلد ہی اکرام کی آواز سنائی دی:

"جی ہاں۔ ان کا پیغام مل گیا تھا۔ عاطف رشید کو ہر طرف تلاش کیا جا رہا ہے، لیکن ابھی تک کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔"

"خیر۔ کوشش جاری رکھو۔ شمالی پہاڑیوں کی طرف بھی توجہ دو، کیا خبر وہ ادھر گیا ہو۔ میں ان تینوں کی تلاش میں نکل رہا ہوں۔"

"جی بہتر۔" اس نے کہا۔

ریسیور رکھ کر وہ گھر سے نکل آئے اور جیپ کو پہاڑیوں کے رُخ ڈال دیا۔ انہیں تینوں پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا۔ آندھی اور طوفان کی طرح چلتے آخر وہ پھر پہاڑیوں تک پہنچ گئے، لیکن یہاں ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ انہوں نے حلق سے اُلّو کی آواز نکالی۔ اور ان کی طرف سے جواب ملنے کا انتظار کرنے لگے، لیکن جواب میں اُلّو کی آواز سنائی نہ دی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تینوں یہاں نہیں تھے۔ یا پھر ہوش میں نہیں تھے۔

اب وہ جیپ سے نکل کر اس مقام کی طرف بڑھے۔ جہاں انہوں نے اس پُر اسرار آدمی سے ملاقات کی تھی۔ چاند کی روشنی میں ارد گرد کا جائزہ لیا، لیکن کہیں بھی کسی گڑبڑ کے آثار نظر نہ آئے:

"نہیں۔ وہ ادھر نہیں آئے۔ اور اگر آئے تھے تو کسی مصیبت میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ یا انہیں یہاں سے لے جایا جا چکا ہے۔" وہ بڑبڑائے۔

اب وہ پھر جیپ کی طرف چل رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جیپ واپس شہر کا رُخ اختیار کر رہی تھی۔ ایک بار پھر انہیں ان تینوں پر غصہ آ رہا تھا۔ اچانک ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ــــ

آخری ٹپکنا

"کیا ہوا۔ ہینڈل کو گوند تو نہیں لگا ہوا" فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔

"نہیں۔ دروازہ کسی نے باہر سے بند کر دیا ہے۔"

"ارے!" محمود اور فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"اب ہم کیا کریں؟"

"اس کا مطلب ہے۔ ان لوگوں کو ہمارے اندر داخل ہونے کا پتا چل گیا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ہم بھی ان تک ضرور پہنچیں گے۔ یہ روشندان کس دن کام آئے گا۔ اب ان بیچاروں کو کیا معلوم۔ ایسے موقعوں پر ہم روشندانوں سے کام لے لیا کرتے ہیں۔ خاص طور پر اس وقت اور بھی آسانی سے کام لے لیتے ہیں، جب کمرے میں میزیں اور چارپائیاں بھی ہوں۔ آؤ جلدی کرو۔ پتا نہیں، یہ لوگ کیا چکر چلا رہے ہیں۔"

روشندان کے ذریعے فاروق کو دوسری طرف اترنے میں

دقت تو ہوئی، لیکن اس کے سوا وہ کر ہی کیا سکتے تھے، دوسری طرف اتر کر فاروق نے دروازہ کھول دیا۔ برآمدے کے دوسری طرف باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دبے پاؤں اس طرف بڑھے۔ اور کمرے کا کھلا دروازہ دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ اب وہ چھپ کر اندر ہونے والی گفتگو نہیں سن سکتے تھے۔ انہیں سامنے آنا ہی پڑتا؛ چنانچہ محمود نے کندھے اچکائے اور دروازے کے سامنے پہنچ گیا۔ فاروق اور فرزانہ بھلا کہاں رکنے والے تھے۔ دوسرے ہی لمحے کمرے میں موجود لوگ چونک اٹھے۔ ادھر وہ بھی کمرے کا منظر دیکھ کر بھونچکے رہ گئے۔

پروفیسر صوبام ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اسے کرسی کے ساتھ رسی سے بری طرح جکڑ دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں عاطف رشید موجود تھا۔ وہ ایک طرف سہما کھڑا تھا۔ دوسری طرف وہ تینوں موجود تھے جو عاطف رشید سے نوٹ بک حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے، لیکن انہیں حیرت اس لمبے چوڑے آدمی کو دیکھ کر ہوئی۔ جس نے نوٹ بک عاطف رشید سے حاصل کر لی تھی اور اس سے وہ انہوں نے چھینی تھی۔ اس وقت پستول اسی لمبے آدمی کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ سب کو زد میں لیے کھڑا تھا:

"تم تو کہتے تھے۔ انہیں کمرے میں بند کر آئے ہو۔" لمبے

آدمی نے عاطف رشید سے کہا۔

"خود انہی سے پوچھ لو۔ میں نے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر کے چٹخنی لگا دی تھی۔" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے، لیکن ہم روشندان کے ذریعے باہر نکل آئے۔ آخر آپ ہم سے اتنے خوف زدہ کیوں ہیں۔" فاروق بولا —

"خوف زدہ اور تم سے۔ ہُنہ۔" وہ نفرت زدہ انداز میں بولا —

"چلیے نہیں ہوں گے۔ اب یہ بتا دیجیے۔ کہ یہ چکر کیا ہے؟"

"پہلے ہاتھ اوپر اٹھا کر اندر آجاؤ اور دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔ تم سے تو یوں بھی مجھے انتقام لینا ہے۔" اس نے غرا کر کہا —

"انتقام تو نہ جانے کتنے لوگوں کو ہم سے لینا ہے — اب ہم کس کس کو انتقام دیتے پھریں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کو اتنا بھی نہیں معلوم۔ یہ اوٹ پٹانگ بات ہوئی۔"

"تم اندر آکر دیوار سے نہیں لگے۔" اس نے جتا کر کہا۔

"بہت بہتر۔ یہ لیجیے۔ لگ گئے۔ اور فرمائیے۔"

تینوں ہاتھ اُوپر اٹھائے اندر آگئے اور سعادت مند بچوں کی طرح دیوار سے لگ گئے۔

"اب فرمائیے۔ یہ معاملہ کیا ہے۔"

"تم لوگ یہاں کس طرح ٹپک پڑے؟"

"جی بس۔ ادھر سے گزر رہے تھے۔ ہم نے سوچا۔ پروفیسر صاحب سے ملتے چلیں۔" فاروق نے کہا۔

"اور کسی سے ملنے کے لیے کوٹھی میں داخل ہونے کا یہ طریقہ ہے، جو تم نے اختیار کیا۔"

"جب صدر دروازہ بند ہو اور اس کے کھلنے کا امکان بھی نہ ہو اور ملاقات کرنا بھی بہت ضروری ہو تو آدمی کیا کرے۔" محمود بولا —

"خیر۔ اب آ ہی گئے ہو تو تمہاری قسمت۔" اس نے افسوس ناک لہجے میں کہا۔

"جی کیا مطلب۔ ہماری قسمت کو کیا ہوا؟"

"بہت بُری ہے۔ دیکھو نا۔ بلا وجہ موت کے منہ میں چلے آئے۔"

"اگر ایسا ہے تو ہم ابھی واپس چلے جاتے ہیں۔ اجازت دیجیے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"اب نہیں جا سکتے واپس۔ اب تو یہیں ٹھہرنا ہو گا —

اس ساری کارروائی کو آنکھوں سے دیکھنا ہو گا۔ اور بعد میں آنکھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر لینا ہوں گی۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

"کیوں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کیوں؟"

"اس لیے کہ اس معاملے کی سن گن اس کوٹھی سے باہر نہیں جانی چاہیے۔ سنو۔ میں تمہیں کہانی سناتا ہوں۔"

"کہانیاں سننے کا ہمیں شوق بھی بہت ہے۔ بہت بہت شکریہ۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اب اگر بولے تو زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"بہت مشکل ہے مسٹر۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"کیا مشکل ہے؟"

"یہ کہ تم اس کی زبان گدی سے کھینچ سکو۔ یہ اگر ممکن ہوتا تو ہم نہ جانے کب کی کھینچ لیتے اس کی زبان۔"

"خیر خیر۔ تمہاری باتوں سے میں تنگ آ چلا ہوں۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ کہانی یہ ہے کہ وہ نوٹ بک ایک سائنس دان کی ہے۔ دُنیا کے ایک بہت بڑے مُلک کے سائنس دان کی۔ اس نے اس نوٹ بک میں کچھ لکھا۔ اور اس مُلک میں بھیج دیا۔ تمہیں یہ سُن کر بہت حیرت ہو گی کہ اس نے نوٹ بک بھیجی کس

شخص کو۔ پروفیسر صوبام کو۔"

"اوہ!" تینوں کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"لیکن کیوں۔ پہلی بات تو یہ کہ اس نے نوٹ بک کیوں بھیجی، دوسرے یہ کہ پروفیسر صوبام کو کیوں بھیجی اور تیسری بات یہ کہ اس نے اس میں لکھا کیا ہے۔" محمود نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

"پروفیسر صوبام کو اس لیے بھیجی کہ اشارات کی زبان اس ملک میں ان کے علاوہ کوئی اور نہیں سمجھ سکتا تھا۔ لیکن اس نوٹ بک کے بارے میں کئی بڑے ممالک کے جاسوسوں کو پتا چل گیا۔ لہٰذا سب کے سب نوٹ بک حاصل کرنے کے چکر میں پڑ گئے۔ نوٹ بک تم لوگوں نے حاصل کر لی۔ اور پروفیسر صوبام کے پاس لے آئے۔ لیکن یہ اس کا ترجمہ نہ کر سکے۔ نوٹ بک پھر تم لوگوں کے قبضے میں آ گئی۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

"چلو۔ اتنی کہانی تو سمجھ میں آ گئی۔ اگرچہ اس میں کئی جھول ہیں، خامیاں ہیں۔ جیسی کہ آج کل جاسوسی کہانیاں لکھنے والوں کی کہانیوں میں ہوتی ہیں۔ خیر۔ ہم ان خامیوں کو قبول کرتے ہوئے یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اب آپ لوگ یہاں کس لیے جمع ہیں۔ نوٹ بک تو ہمارے قبضے میں ہے، پھر آپ نے پروفیسر صوبام کو کیوں باندھ رکھا ہے؟"

"نوٹ بک حاصل کرنے میں ناکام ہونے کے بعد جب ہم نے یہ خبر سُنی کہ یہ صاحب نوٹ بک کی تحریر کا ترجمہ نہیں کر سکے تو ہم سوچ میں ڈوب گئے، پھر میں نے انہیں فون کیا اور پوچھا۔ کیا کسی سودے کی گنجائش ہے۔ انہوں نے فوراً کہا کہ ہاں۔ گنجائش ہے۔"

"گنجائش۔ کیسی گنجائش؟" فرزانہ بے چین ہو گئی۔

"پروفیسر کے منہ سے ہاں کا لفظ سن کر میں نے ان سے ملاقات کا پروگرام بنا لیا۔ لیکن یہ تینوں بھی میرے پیچھے لگے ہوئے تھے، لہذا میرے پیچھے یہ بھی یہاں پہنچ گئے۔ اس وقت پروفیسر یہاں نہیں تھے، یہ تقریباً دو گھنٹے بعد آئے۔ میں نے ان تینوں کو اندر کی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ لہذا یہ مجھ کو بے خبر سمجھ کر جونہی اندر آئے، میں نے ان پر پستول تان دیا۔ پھر عاطف رشید آیا۔ یہ بھی اسی نوٹ بک کے چکر میں آیا تھا۔ گویا ہم سب کا صرف اور صرف یہ خیال ہے کہ پروفیسر صوبام نے تم لوگوں سے سفید جھوٹ بولا ہے۔ اور انہوں نے نوٹ بک کی تحریر کو پڑھ لیا ہے، لیکن وہ اس تحریر کا ترجمہ تم لوگوں کو دینے کی بجائے کسی بڑی طاقت کو فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ اور کسی سودے کی گنجائش کا مطلب یہی تھا۔ جونہی یہ آئے۔ میں نے ان تینوں کے ذریعے انہیں کرسی سے جکڑ دیا۔ اب یہ معلوم نہیں تھا کہ تم لوگ بھی ٹپک پڑو

گے۔"

"یہ ہم میں واقعی بہت بڑی خامی ہے کہ ہم ہر جگہ ٹپک پڑتے ہیں۔" فاروق نے بے بسی کے انداز میں کہا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ تمہارا اس جگہ ٹپکنا آخری بار ٹپکنا ہے، اب تم کسی اور جگہ نہیں ٹپک سکو گے۔" وہ بولا۔

"بہت بہت شکریہ۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"تو پروفیسر صوبام یہ بات تسلیم کر چکے ہیں کہ انہوں نے نوٹ بک کی تحریر پڑھ لی تھی؟"

"ہاں۔ نہ صرف پڑھ لی تھی، بلکہ اپنے پاس اس کی نقل بھی تیار کر کے رکھ لی ہے۔ اب ہم اس کا ترجمہ ان سے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن ترجمہ معلوم کرنے کا یہ کون سا طریقہ ہے۔" پروفیسر نے جل بھن کر کہا۔

"صورتِ حال اس وقت میرے ہاتھ میں ہے۔ میں چاہوں تو ایک گولی سے تمہارا سر اڑا دوں۔ اب یہ فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے کہ سر اڑوانا چاہتے ہو یا ترجمہ بتانا۔"

"تم احمق ہو۔ اس تحریر کا ترجمہ میرے سوا کوئی نہیں کر سکتا، اور وہ راز اتنا بڑا ہے کہ میں تمہارے ملک سے ایک بہت بڑی رقم آسانی سے حاصل کر سکتا ہوں۔ بلکہ اگر دوسرے ملکوں کو

اس ترجمے کی بولی میں شامل کر لیا جائے تو بولی بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ ان حالات میں بھلا میں تمہیں راز کس طرح بتا سکتا ہوں۔ راز معلوم کرنے کے بعد بھی تم مجھے زندہ نہیں چھوڑو گے، تو میں کیوں بتانے لگا۔ میں تو اس ضمانت کے ساتھ بتاؤں گا کہ رقم بھی مجھے مل جائے اور میری جان بھی بچ جائے، اگر تمہیں ایسی صورت منظور نہیں تو پھر تم ضرور مجھے گولی مار دو۔"

پروفیسر صوبام کے خاموش ہوتے ہی بلبے آدمی کے چہرے پر بے بسی کے آثار دوڑ گئے۔

"واقعی پروفیسر۔ تم بہت عقل مند ہو۔ اچھا خیر۔ ہم آپس میں بات چیت کر لیتے ہیں، لیکن ان لوگوں کا کیا جائے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"انہیں ختم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔" اس نے کہا۔

"تو کرو ختم۔ میری بلا سے۔" اس نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ نوٹ بک کی بات چیت صرف میرے اور تمہارے درمیان ہو گی۔ میں ان سب کو دوسری دُنیا کے سفر پر روانہ کر رہا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی انگلی ٹریگر پر دباؤ ڈالنے لگی، سب سے پہلے اس نے نشانہ ان تین جاسوسوں میں سے ایک کا لیا تھا۔ یوں وہ اس انداز سے کھڑا تھا کہ کسی بھی وقت باقیوں کو

بھی زد پر لے سکتا۔ اچانک فائر ہوا، لیکن یہ فائر اس بلبے آدمی کے پستول سے نہیں ہوا تھا۔ گولی تو خود اس کے پستول پر لگی تھی۔ اور وہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنے والد کی چہکتی آواز سُنی:

"بہت خوب۔ کہانی واقعی شاندار ہے، لیکن فاروق کا یہ کہنا بھی بالکل درست ہے کہ اس میں کچھ خامیاں ہیں۔ میں ان خامیوں کی نشاندہی کیے دیتا ہوں۔ تاکہ کسی کہانی لکھنے والے کو دقت کا سامنا نہ ہو۔ بڑے مُلک کے سائنس دان نے نوٹ بک پروفیسر صوبام کو اس لیے بھیجی تھی کہ ان کے علاوہ تحریر کو کوئی نہیں پڑھ سکتا۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے تحریر اس شخص کو اس لیے بھی بھیجی تھی کہ یہ اس کا ترجمہ کر کے اپنی حکومت کے حوالے کر دیں۔ لیکن۔ جب نوٹ بک انہیں ملی اور انہوں نے اسے پڑھا تو یہ چکر کھا گئے۔ انہوں نے سوچا، ملک کے حوالے کر کے تو انہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ لہذا انہوں نے اس نوٹ بک سے دولت کمانے کا فیصلہ کر لیا اور اس طرح گویا مُلک سے غداری کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے نوٹ بک کی تحریر اپنے پاس بھی لکھ کر رکھ لی۔ اور نوٹ بک جا کر عاطف رشید کے گھر میں سرکا آئے اور ابرار راہی کو حکم دیا کہ ٹھیک چار بجے شمالی پہاڑیوں پر ایک شخص سے نوٹ بک حاصل کرے۔ اور

نیلا گلاب کار میں لگا کر جائے ۔ کیونکہ عاطف رشید کو پہلے ہی کہہ
دیا گیا تھا کہ نیلے گلاب والے کے حوالے نوٹ بک کرنا ہو گی ۔
اب تم لوگ سمجھ ہی گئے ہو گے کہ وہ پُر اسرار آدمی بھی خود پروفیسر
صوبام ہی تھا ۔ اور یہ دشمن ممالک کے لیے اشاراتی تحریریں پڑھنے
کا کام کرتا رہتا تھا ۔ اس کام کے لیے اس نے اپنے کچھ کارکن
رکھے ہوئے تھے ۔ کارکن یہ بے کار پھرنے والے نوجوانوں کو بنا
لیتا تھا ۔ اب جو لوگ پہلے سے نوٹ بک کے پیچھے لگے ہوئے تھے
اور پروفیسر صوبام کی پہلے سے نگرانی کر رہے تھے ۔ بھلا وہ پہاڑیوں
تک کیوں نہ پہنچتے ۔ اس طرح نوٹ بک کا ہنگامہ شروع ہو گیا ۔
کوٹھی کو اس وقت تک گھیرے میں لیا جا چکا ہے ۔ پروفیسر صوبام
بے شک ہمیں نوٹ بک کی تحریر کا مطلب نہ بتائیں ۔ کم از کم
ہمیں یہ اطمینان ضرور ہے کہ راز کسی بڑے دشمن ملک کو معلوم
نہیں ہو سکا ۔ یہی بہت ہے ۔ اوّل تو ہم پروفیسر صوبام کو اتنا
سستا نہیں چھوڑیں گے ۔ معلوم کرنے کے طریقے آزمائیں گے ۔"

" م ۔ میں ۔ بتانے کے لیے تیار ہوں ۔ اگر میرے ساتھ نرمی
کی جائے ۔"

" نرمی ۔ تم دشمن ممالک کے لیے کام کرتے رہے ہو ۔ تمہارے
ساتھ نرم سلوک کا وعدہ نہیں کیا جا سکتا ۔ رہی بات نوٹ بک
کی تحریر کی ۔ تو میں اس کا کوئی حل نکال ہی لوں گا ۔"

" آپ ۔ کبھی بھی ۔ کسی سے بھی نہیں پڑھوا سکیں گے ۔ اس کی
ایک خاص وجہ ہے ۔" پروفیسر نے پُر جوش لہجے میں کہا ۔

" کیا وجہ ہے ذرا میں بھی تو سنوں ۔"

" وہ سائنس دان اور میں ایک دوسرے ملک میں تعلیم حاصل
کرنے کے دوران کلاس فیلو رہے ہیں ۔ یہ زبان ہم نے اس زمانے
میں آپس میں طے کی تھی ۔ لہٰذا اسے سوائے میرے یا میرے
اس دوست کے کوئی نہیں پڑھ سکتا ۔ لیکن جہاں تک میری
معلومات کا تعلق ہے ۔ میرے دوست کے ملک کو اس پر شک
ہو چکا ہے اور اس کے بارے میں بہت تیزی سے معلومات حاصل
کی جا رہی ہیں ۔ بہت جلد اسے گرفتار کر لیا جائے گا ۔" پروفیسر صوبام
نے کہا ۔

" اوہ !" وہ دھک سے رہ گئے ۔

" اب کیا کہتے ہیں ۔ مجھے فرار ہونے کا موقع دے دیں اور تحریر
کا ترجمہ حاصل کر لیں ۔" اس نے کہا ۔

" نہیں ۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے ۔ ویسے یہ بات سمجھ میں نہیں
آئی کہ تمہارے دوست سائنس دان نے اپنے ملک سے غداری کیوں
کی ۔ اور وہ تحریر یہاں کیوں بھیج دی ۔"

"وہ اسلام کے موضوع پر ایک مدت سے کتابیں پڑھ رہا تھا ۔
اس کے دل میں ایک چبھن سی ہر وقت رہتی تھی ۔ اس چبھن

نے اسے مذہب اسلام پر غور کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور اس نے
کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا۔
اسی دوران اس نے اپنے مُلک کے لیے ایک بہت زبردست ایجاد
کی تھی، لیکن مسلمان ہونے کے بعد اس کی تمام تر ہمدردیاں
مُسلمانوں کے ساتھ ہو گئیں۔ لہذا اس نے نوٹ بک مجھے ارسال
کر دی۔"

"اب اس سچے مسلمان کو کیا معلوم تھا کہ جسے وہ نوٹ بک
بھیج رہا ہے۔ وہ نام کا مسلمان ہے۔ اندر سے صرف دولت کا
غلام ہے۔ اور دولت کے لیے اپنے ملک کا بھی سودا کر سکتا ہے۔"
انسپکٹر جمشید نفرت زدہ لہجے میں بولے۔ پروفیسر صوبام کا سر جھک
گیا۔ کئی منٹ تک اس کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ آخر
اس نے سر اٹھایا اور بولا:

"واقعی۔ ہم دونوں میں کتنا فرق ہے۔ یہ کہانی کتنے عظیم فرق
کی کہانی ہے۔ دشمن ملک کا ایک سائنس مسلمان ہونے کے
بعد اپنے ملک سے وفاداری ختم کر دیتا ہے اور اسلام کے
لیے خود کو وقف کر دیتا ہے۔ اور ایک میں ہوں۔ مسلمان ہوتے
ہوئے۔ مسلمان ملک میں رہتے ہوئے۔ غیر مسلم ممالک کے لیے کام
کرتا رہا ہوں۔ مجھ سے بڑا ظالم بھی کوئی ہو گا، لیکن۔۔ اب
میں نوٹ بک کی تحریر بتا کر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کروں گا۔ ان

سب کو حوالات بھیج دیں۔ اس کے بعد میں نوٹ بک کی تحریر کا
ترجمہ سناؤں گا۔"
وہ حیران رہ گئے۔ انسپکٹر جمشید کے الفاظ اس پر اتنی جلدی
اثر کر جائیں گے۔ انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔
"بہت خوب۔ یہ ہوئی نا بات۔ اب شاید تم سے نرمی بھی کی
جا سکے گی۔ جاؤ محمود۔ اکرام وغیرہ کو اندر بلا لاؤ۔"
جلد ہی باقی لوگوں کو گرفتار کر کے بھیج دیا گیا۔ اب پروفیسر
صوبام نے کہنا شروع کیا:
"میرے دوست نے ایک ایجاد کی تھی۔ اس ایجاد کی تفصیل
بتانے کے بعد، اپنے مسلمان ہونے کا ذکر کرتے ہوئے اس نے
لکھا ہے کہ میں ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ ایجاد تمہارے ملک
کو بطور تحفہ پیش کر رہا ہوں۔ اس ایجاد کی مدد سے تمہارا مُلک
بڑے سے بڑے دشمن سے نہایت آسانی سے جنگ کر سکتا ہے۔
بس تمہارے مُلک کی فوج کو ایک خاص قسم کی عینکیں لگا کر جنگ
کرنا ہو گی اور تمام محاذوں پر میری اس ایجاد کا سپرے کر دیا
جائے گا۔ اس سپرے کے بعد دشمن ملک کے فوجی گویا اندھے
ہو جائیں گے۔ انہیں کچھ بھی دکھائی نہیں دے سکے گا۔
جب کہ تم لوگ ان عینکوں کی مدد سے دشمنوں کو صاف طور پر
دیکھ سکو گے۔ فارمولے کے ترجمے کی اس وقت ضرورت نہیں۔ وہ

ہیں سائنس دان حضرات کو بتا دوں گا۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تو یہ بات تھی ۔ یہ تو واقعی بہت شاندار ایجاد ہے ۔ لیکن اس کے لیے جو اسے استعمال کرے گا ۔ دوسرے کے لیے تو یہ انتہائی خطرناک ایجاد ثابت ہوگی۔" فاروق بولا۔

"ہاں ۔ یہ بات تو ہے ۔ ویسے ابا جان ۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ عاطف رشید ہسپتال سے فرار ہو کر یہاں کیوں آیا تھا؟" فرزانہ بولی۔

"اس نوٹ بک کا راز معلوم کرنے۔" فاروق بولا۔

"نہیں۔ یہ بات جاننے کے لیے ، شمالی پہاڑیوں پر جو کچھ ہوا اسے ذہن میں لانا ہوگا ۔ غور کرو ۔ خود ہی سمجھ جاؤ گے۔"

"غور کریں ۔ لیکن ابا جان ۔ غور کرنے سے کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ ہی بتا دیں۔"

"بھئی ۔ سیدھی سی بات ہے ۔ پروفیسر نوٹ بک اس کے گھر سرکانے خود ہی گیا تھا ۔ اس نے عاطف رشید کو پہلے ہی ہدایات دے دی تھیں ؛ چنانچہ عاطف رشید نے اسے دیکھ لیا تھا ۔ اور وہ اس وقت اسے ۔"

"بس بس ابا جان ۔ ہم سمجھ گئے۔" محمود بول اٹھا۔

"جی ہاں ۔ اب تو ہم واقعی سمجھ گئے۔" فرزانہ نے جلدی سے

کہا۔

"توبہ ہے ۔ آخر ابا جان کو روکنے کی کیا ضرورت ہے ۔ اگر وہ پوری بات بتا دیں گے تو کیا قیامت ٹوٹ پڑے گی۔" فاروق نے بھناتے ہوئے لہجے میں کہا۔

اور وہ مسکرانے لگے۔

۵۰۰۰ روپے کے نقد انعامات کا اعلان

"دنیا کے قیدی" کے انعامی سوال کا جواب اور انعام پانے والوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

سوال یہ تھا: صفحہ ۱۴۲ پر انسپکٹر جمشید ان سب باتوں کے باوجود صرف ایک بات جانتے تھے، وہ بات کیا تھی؟

صفحہ ۱۴۲ اور اس سے پہلے کے ایک دو پیراگراف پڑھنے کے بعد اس سوال کے دو تین ممکنہ جواب ذہن میں آتے ہیں — سوال کا زور 'صرف ایک بات' پر تھا۔ جواب بھی صرف ایک بات میں دینا تھا، لیکن اکثر قارئین نے اس پہلو کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور جواب میں پورے پورے پیرے لکھ مارے۔ اگرچہ ان پیروں میں اصل جواب بھی موجود تھا، لیکن انہیں انعام پانے والوں میں کسی طرح شامل نہیں کیا جا سکتا تھا؛ چنانچہ انعام صرف اور صرف ان حضرات کو دیا گیا ہے، جنہوں

نے جواب میں صرف ایک ہی بات لکھی — اور — جواب یہ تھا:

زندگی اور موت خدا کے ہاتھ ہے۔

اب انعام پانے والوں کے نام اور پتے:

۲۰۰۰/ روپے کا پہلا انعام:

محمد الیاس ولد غلام رسول جماعت نہم بی رول نمبر ۶ گورنمنٹ ایم سی ہائی سکول سمن آباد فیصل آباد کے حصے میں آیا — مورخہ ۲۸/۸/۸۴ کو آپ اپنے والد یا کسی اور عزیز کو ساتھ لے کر دفتر آ جائیں اور انعام حاصل کریں۔ سکول کے پتے پر انعام نہیں بھیجا جا سکتا۔

۱۰۰۰/ روپے کا انعام آصف حسین ۱۹/۹۳۱۔ آر النور سوسائٹی فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸ کے حصے میں آیا۔ انہیں انعام بذریعہ منی آرڈر روانہ کیا جا رہا ہے۔

۵۰۰/ روپے کا انعام عبدالوحید رند۔ مکان نمبر ۳، سٹریٹ نمبر ۴۲ سیکٹر جی نائن۔ون اسلام آباد کے حصے میں آیا۔

انہیں انعام بذریعہ منی آرڈر روانہ کیا جا رہا ہے۔

نتیجہ/۱۵۰ روپے ۳۲ درست جوابات پر تقسیم کیے گئے۔ ان کے حصے میں /۴٫۷ روپے فی کس آئے۔ ۴٫۷، ۴٫۷ روپے کے منی آرڈر ان حضرات کو روانہ کیے جا رہے ہیں۔

(ادارہ)

نوٹ بک کا
انعامی سوال

س: آخری صفحے پر انسپکٹر جمشید کا جملہ درمیان میں رہ گیا تھا، اسے مکمل کیجیے اور وہ اس وقت اسے .....

مبلغ/۲۵۰ روپے کا نقد انعام موصول ہونے والے تمام درست جوابات کی قرعہ اندازی کے ذریعے دیا جائے گا۔

(ادارہ)

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۱۲

ریچھ نما آدمی

مصنف : اشتیاق احمد

- ریچھ نما آدمی سے ملیے اور خوش ہو جائیے۔
- اس مرتبہ سہرا فاروق کے سر رہا۔ کیسے، پڑھ کر دیکھ لیجیے نا۔
- کوئی شخص انسپکٹر جمشید کا گھنٹوں سے تعاقب کر رہا تھا اور وہ اس تعاقب سے بالکل بے خبر تھے۔ یہ کس طرح ممکن ہے یہ بھی پڑھ کر ہی پتا چل سکتا ہے۔
- گویا اس بار کا ناول آپ کے لیے ایک معما ثابت ہونے والا ہے۔
- معمے کا حل بھی تو آپ کو ہی بھیجنا ہے۔ جھلکیاں پڑھ کر آپ مسکرا تو نہیں دیے۔

قیمت : چھے روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۱۳

چائے کا کپ

مصنف : اشتیاق احمد

- انسپکٹر جمشید کے دفتر میں ایک عجیب حادثہ۔
- ایک شخص نے ہوٹل میں کسی کو کیا دیکھا کہ ہنگامہ شروع ہو گیا۔
- محمود، فاروق اور فرزانہ اس بار بے بس نظر آتے ہیں۔
- آپ آخر تک نہ جان سکیں گے کہ مجرم کون ہے۔ ناول کے نصف کی بات تو جانے ہی دیں۔
- مجرم سامنے آئے گا تو اچھلے بغیر نہیں رہیں گے۔
- ہر قدم پر نیا تجسس۔

قیمت : چھے روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک :

آفتاب، آصف، فرحت اور انسپکٹر کامران مرزا سیریز ۳۸

پرانا ڈھانچہ

مصنف : اشتیاق احمد

- کمرے کا دروازہ کھلتے ہی وہ سب دھک سے رہ گئے۔
- دروازہ پچیس سال بعد کھولا گیا تھا۔
- اور یہ ایک باپ کی وصیت تھی کہ اس کمرے کو پچیس سال بعد کھولا جائے۔
- دروازہ کھلتے ہی ایک سنسنی خیز کہانی کا آغاز ہوگیا۔
- آپ کی بے چینیاں ہر صفحے پر بڑھتی چلی جائیں گی۔

قیمت : چھے روپے

آئندہ ناول کی ایک جھلک :

شوکی سیریز ۲۰

موت کو دعوت

مصنف : اشتیاق احمد

- ایک شخص کی کہانی جس نے موت کو دعوت دی تھی۔
- کسی کو اس کا انجام معلوم نہ ہو سکا۔
- شوکی برادرز نے اس کیس کے دوران خود کو گھن چکر محسوس کیا۔
- ایک گھر کی دیواریں انہیں بہت تنگ محسوس ہوئیں۔
ایک حیرت بھری داستان۔

قیمت : چھے روپے